ماہ نامہ

ہمدرد

نونہال

دسمبر ۱۹۸۸

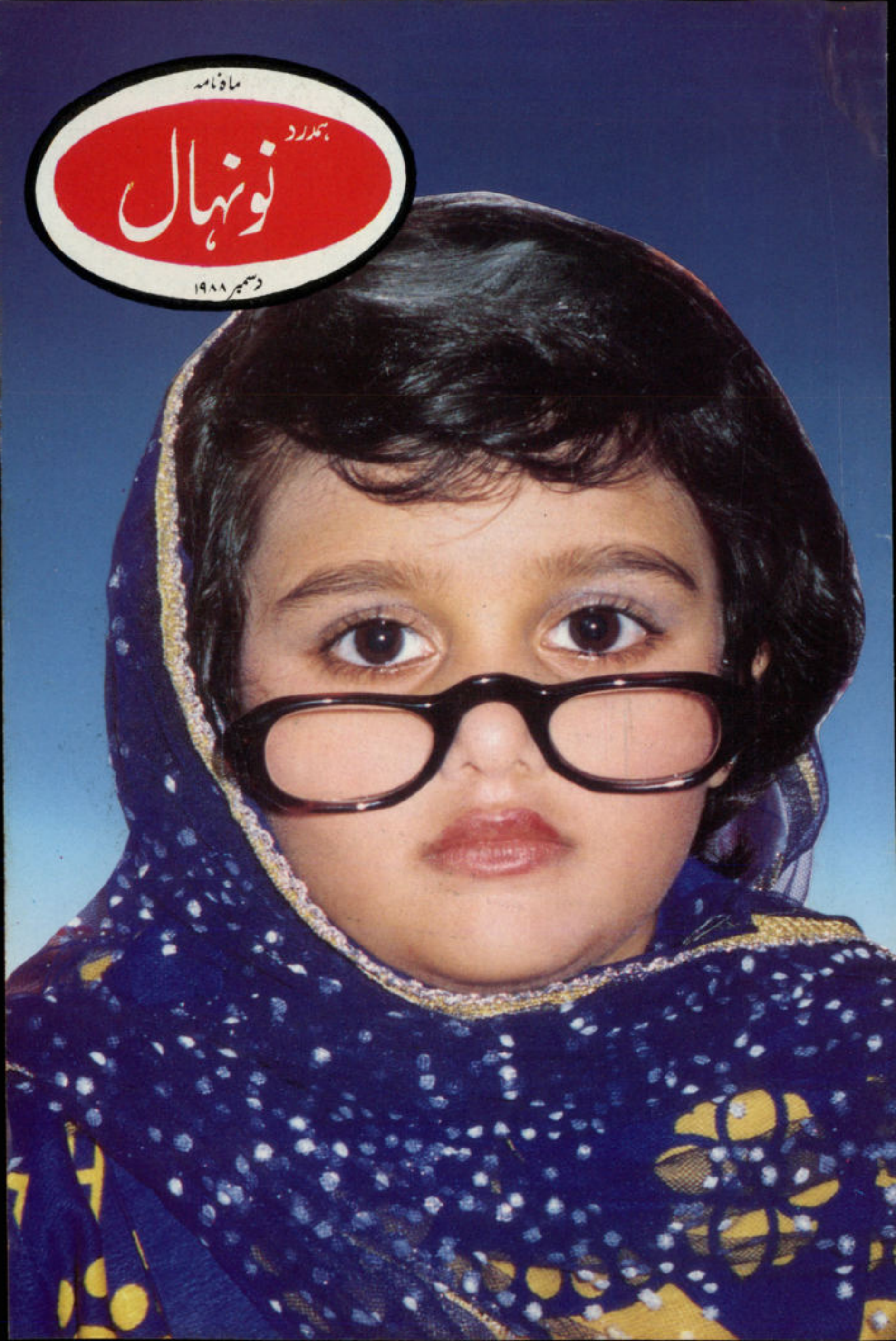

نزلہ، زکام اور کھانسی

سے محفوظ رہنے کی آسان تدبیر

سُعالین شیشی کے علاوہ نئی اسٹرپ پیکنگ
میں اب پہلے سے زیادہ محفوظ۔

مناسب احتیاط برتئے۔ بروقت سُعالین لیجیے

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

Everyone loves to eat

mayfair Toffees and Sweets

■ Milk Bon Bon ■ Orange Candies.
■ Coconut Candies. ■ Deluxe Toffees ■ Assorted Candies.
■ Tattoo Toffees ■ Honey Candies.

And now another
offer from the house of Mayfair

Milka Chew
Fruta Chew
Minta Chew

mayfair **Bubble**

You will love it because it is the only juicy bubble that makes

big big Bubbles.

mayfair The Sweet Favourites.

AFI Asian Food Industries (Private) Limited.
Shernaz House, West Wharf Road, Karachi, Pakistan.
Phones: 201612, 201617 Cable: BON BON Telex: 25482 AFI PK

Adarts-HTP-3/85

فون: 616001 سے 616005 (پانچ لائنیں)

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

ہمدرد نونہال

مجلس ادارت

صدر مجلس: حکیم محمد سعید

مدیر اعلا: مسعود احمد برکاتی

مدیرۂ اعزازی: سعدیہ راشد

ISSN 0259 - 3734

ربیع الآخر	۱۴۰۹ ہجری
دسمبر	۱۹۸۸ عیسوی
جلد	۳۶
شمارہ	۱۲
فی شمارہ	۵ روپے
سالانہ	۵۵ روپے
سالانہ (رجسٹری سے)	۱۰۳ روپے

پتا: ہمدرد نونہال ہمدرد ڈاک خانہ
ناظم آباد کراچی ۷۴۶۰۰

یہ کیسی رات ہے صفحہ ۱۴۱ پر پڑھیے

خرنو کی کہانی صفحہ ۳۱ پر پڑھیے

کالا گلاب صفحہ ۶۱ پر پڑھیے

تہ خانے سے تخت تک صفحہ ۸۵ پر پڑھیے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی ۱۸ سے شائع کیا

اس رسالے میں کیا ہے

۵	جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	جناب ڈاکٹر منظور احمد	مونگے یا مرجان	۲۳
۶	پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	محترمہ ریحانہ ظفر	کام کرنے والے ہاتھی	۲۸
۷	حمد (نظم)	محترمہ یاسمین حزیں	جناب میرزا ادیب	شرفو کی کہانی	۳۱
۸	خیال کے پھول	ننھے گل چیں	جناب قمر ہاشمی	تم کیا بنو گے؟ (نظم)	۳۹
۹	تانبے کی گائے	جناب طالب ہاشمی	جناب مشتاق	کارٹون	۴۰
۱۳	توتوں کا تماشا (نظم)	جناب فیض لودھیانوی	علی مرتضیٰ	یہ کیسی رات ہے	۴۱
۱۴	قائد اعظم (نظم)	جناب عاصمہ گل عصمی	اسد ظہور	بادشاہ کا کرم	۴۶
۱۵	عظیم قائد	نازش پرکاش کمار	ننھے آرٹسٹ	نونہال مصوّر	۵۲
۱۷	ہمارے پڑوسی	جناب رؤف پاریکھ	جناب ڈاکٹر سہیل برکاتی	مینڈکوں کی دنیا	۶۹
۲۱	ظفر کی ڈائری	جناب ارشد تھانوی	جناب حکیم محمد سعید	طب کی روشنی میں	۵۷

● معلومات عامہ ۲۷۲ ادارہ ۶۰ ● کالا گلاب نازیہ رمضان ۶۱ ● تحفے باذوق نونہال ۵۳
● بزم ہمدرد نونہال ادارہ ۷۳ ● ہمدرد انسائکلو پیڈیا جناب علی ناصر زیدی ۸۱ ● تہ خانے سے تخت تک
س۔م۔ دانش ۸۵ ● مسکراتے رہو ننھے مزاح نگار ۸۹ ● صحت مند نونہال ادارہ ۹۲
● نونہال ادیب ننھے لکھنے والے ۹۳ ● قارئین کی عدالت نونہال پڑھنے والے ۱۰۹
● معلومات عامہ ۲۷۰ کے جوابات ادارہ ۱۱۵ ● اس شمارے کے مشکل الفاظ ادارہ ۱۲۰

جاگو جگاؤ

پاکستان ہمارا وطن ہے، ہماری جان ہے، ہماری زندگی ہے۔ پاکستان ہے تو ہم ہیں۔
پاکستان کس نے بنایا؟ قائد اعظم محمد علی جناح نے۔

محمد علی جناح کون تھے؟ بہت بڑے سرمایہ دار، بہت بڑے صنعت کار؟ نہیں، ان کے والد نہ امیر تھے نہ وزیر۔ ایک چھوٹے سے تاجر تھے۔ تو پھر محمد علی جناح قائد اعظم کیسے بن گئے؟ مجھ سے اس کا جواب پوچھتے ہو تو میں کہوں گا، مقصد کی لگن سے، عزم سے، محنت سے۔

پہلے قائد اعظم نے اپنی زندگی بنائی۔ انھوں نے پوری توجہ اور شوق سے تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے وقت بے کار نہیں کھویا۔ وہ اپنا سارا وقت پڑھنے لکھنے میں صرف کرتے تھے۔ دن کو بھی پڑھتے تھے اور رات کو بھی پڑھتے تھے۔ علم شوق سے حاصل ہوتا ہے، محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ قائد اعظم نے جو کچھ سیکھا اپنے شوق اور اپنی محنت سے سیکھا۔ انھوں نے بچپن ہی میں یہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ بڑے آدمی بنیں گے۔ جب وہ بڑے آدمی بن گئے تو انھوں نے قوم کی بے لوث خدمت شروع کی۔ انھوں نے محسوس کیا کہ ہندستان کے مسلمانوں کو ایک علاحدہ ملک چاہیے، جہاں وہ امن و آزادی سے رہ سکیں اور اپنی مرضی کی حکومت قائم کر سکیں۔ اس مقصد کی لگن ان میں اتنی تھی کہ پاکستان بنا کے چھوڑا۔ پاکستان بنانے کے بعد اپنی صحت کی پروا کیے بغیر اس کے استحکام کے لیے آخری وقت تک کام کرتے رہے۔ تم بھی اگر قائد اعظم کی مثال پر عمل کرتے ہوئے محنت کرو اور پکا ارادہ کر لو تو اعلا تعلیم حاصل کر کے اپنے پیارے پاکستان کو امن اور خوش حالی کا گہوارا بنا سکتے ہو۔

تمھارا دوست اور ہمدرد حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

لو صاحب! یہ سال بھی دم توڑ رہا ہے۔ دسمبر کا مہینہ آگیا۔ سال کا آخری شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سال ہمدرد نونہال میں کچھ تبدیلیاں کی تھیں۔ جن نونہالوں نے زیادہ صلاحیت کا ثبوت دیا ان کو بڑوں کے صفحات میں جگہ دی جا رہی ہے۔ نئے سال سے مستقل کالموں میں سے بعض کے عنوانات بدل رہے ہیں۔ خیال کے پھول اور تحفے بہت اچھے اور بامعنی عنوان ہیں، لیکن انسان تبدیلی پسند کرتا ہے اور جس چیز کو ہم مدت تک دیکھتے رہتے ہیں اُس کی کشش ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے "خیال کے پھول" کے بجائے آئندہ سے "گلدستہ"، "تحفے" کے بجائے "دانہ دانہ" اور "قارئین کی عدالت" کے بجائے "آدھی ملاقات" سوچا گیا ہے۔ کہیے کیسے ہیں۔ لطیفوں کا عنوان بھی بدلا جائے گا۔ ابھی طے نہیں ہوا۔ آپ بتائیے۔

یہ شمارہ آپ کو ذرا موٹا تازہ لگ رہا ہے نا؟ ہاں یعنی آٹھ صفحے زیادہ ہیں۔ ۱۱۲ کے بجائے ۱۲۰ صفحے کر دیے گئے ہیں۔ اب اس میں دوسری اچھی تحریروں کے ساتھ بزم ہمدرد نونہال کی روداد بھی خوبی سے سما سکے گی۔ ان صفحات کے اضافے سے کوئی سوا لاکھ سالانہ خرچ تو بڑھ جائے گا، لیکن ہمدرد فاؤنڈیشن نے اس کا بوجھ نونہالوں پر نہیں ڈالا اور قیمت میں ایک پیسہ بھی اضافہ نہیں کیا۔ بات یہ ہے کہ ہمارے صدر مجلس جناب حکیم محمد سعید صاحب نونہالوں کے سچے دوست ہیں اور وہ نونہالوں کی خوشی سے خوش ہوتے ہیں۔

بعض نونہال شکایت کرتے ہیں کہ عدالت میں ان کے خط شامل نہیں ہوتے۔ ہم نے اس کی وجہ پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ ایسے نونہال ذرا دیر سے خط لکھتے ہیں۔ رسالہ ملنے کے چند دن کے اندر خط ڈال دیا کریں تو شاید ان کو شکایت نہ ہو۔ معلومات عامہ کے جوابات بھی ذرا جلدی سے بھیج دیا کریں۔

اور ہاں! آج کل نونہال اپنی تحریروں کے ساتھ تصویریں ذرا کم بھیج رہے ہیں۔ ہم تحریر کے ساتھ ان کی تصویر بھی چھاپنا چاہتے ہیں۔

حمد

یاسمین حزیں

بنائے ہیں تُو نے زمیں آسماں
ہے اہلِ جہاں پر بڑا مہرباں
اگر کوئی لکھتا رہے عمر بھر
نہ اوصاف تیرے کبھی ہوں بیاں
ہے اللہ اکبر ہی نعرہ مرا
ہیں محتاج تیرے سبھی بے گماں
نہیں دے سکا کوئی تجھ کو فریب
دِلوں کے سبھی بھید تجھ پر عیاں
مبارک ہوں زاہد کو حور و قصور
مجھے بس ترا چاہیے آستاں
ہدایت کا رستہ دکھا دے جسے
بدی کا نہ ہو اُس کے دِل میں مکاں

خیال کے پھول

● حضور اکرمؐ : پڑوسی کو ستانے والا دوزخی ہے چاہے وہ کتنا ہی عبادت گزار ہو۔

مرسلہ: محمد عمران صدیقی، اسلام آباد

● حضرت علیؓ : عقل مند جب خاموش ہوتا ہے تو فکر کرتا ہے، جب بولتا ہے تو ذکر کرتا ہے اور جب دیکھتا ہے تو عبرت حاصل کرتا ہے۔

مرسلہ: حمیرا عبدالرزاق منگریو، حیدر آباد

● حضرت یحییٰ معاذؒ : کسی کی تعریف نہیں کر سکتے تو بُرائی بھی نہ کرو۔ مرسلہ: عاصم رحیم، رحیم یار خاں

● افلاطون : سخت کلام آگ کا وہ شعلہ ہے جو ہمیشہ کے لیے داغ چھوڑ دیتا ہے۔

مرسلہ: ساجد قیوم خانزادہ، سکرنڈ

● سکندر اعظم : مجھے مشکل کام پر بہت اعتماد ہے۔ میں جتنا زیادہ مشکل کام کرتا ہوں اتنا ہی کامیاب ہوتا ہوں۔ مرسلہ: سہیل انور، ملتان

● شیخ سعدیؒ : کمال حاصل کرو تاکہ دنیا میں ہر دل عزیز ہو جاؤ۔ مرسلہ: صلاح الدین عباسی، سکھر

● فرینکلن : اپنا خیال رکھنے والا شخص دشمنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ مرسلہ: نظم پارہ نظمی، شہداد پور

● ٹالسٹائی : بُری کتابیں روح کو مار ڈالتی ہیں۔

مرسلہ: صائب کلیم شہداد پور

● ٹیگور : فکر ہی سے فکر دُور ہوتی ہے۔

مرسلہ: مبشر علی زیدی، کراچی

● قائدِ اعظم : کردار، اخلاق، جُرات اور استقلال۔ یہ چار ستون ہیں جن کی انسانی زندگی کی ساری عمارت کھڑی ہے۔ مرسلہ: حسن مہدی خراسانی، کراچی

● تاجور نجیب آبادی : لذّت کھانے میں نہیں ہوتی بھوک میں ہوتی ہے۔ مرسلہ: رحمان بیگ، لاہور

● مولیئر : پڑھا لکھا بے وقوف، جاہل بے وقوف سے زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔

مرسلہ: خادم حسین، بستی امیر والا

● شیکسپیئر : ایسا دماغ جس کی پرواز پرندے کی پرواز سے زیادہ نہ ہو، میں اُسے چھوٹا اور حقیر دماغ کہتا ہوں۔

مرسلہ: محمد آصف اقبال، کراچی

● ارسطو : ہر ایک نئی چیز اچھی معلوم ہوتی ہے مگر دوستی جتنی پرانی ہو اتنی عمدہ اور مضبوط ہوتی ہے۔

مرسلہ: محمد اکرم سیالوی، ننکانہ صاحب

● نامعلوم : اگر کوئی تمھاری بُرائی کرے تو دل ہی دل میں خوش ہو، کیوں کہ برائی کر کے وہ تمھارے گناہ اپنے اوپر لے رہا ہے۔

مرسلہ: شیریں پروین، کراچی

تانبے کی گائے

طالب ہاشمی

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں رومی عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان شام میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں سے ہر لڑائی میں رومیوں کو شکست ہوئی۔ اس سے رومی مسلمانوں کے ایسے سخت دشمن ہو گئے کہ وہ لڑائی میں پکڑے جانے والے مسلمان قیدیوں کو بڑی بے رحمی سے شہید کر ڈالتے تھے۔ انھوں نے تانبے کی ایک بہت بڑی گائے بنا رکھی تھی۔ اس کے پیٹ میں زیتون کا تیل ڈال کر آگ جلاتے رہتے تھے۔ اگر مسلمان قیدی ان کا مذہب قبول کر لیتے تو اُن کو چھوڑ دیتے اور اگر وہ اپنا دین چھوڑنے سے انکار کر دیتے تو اُن کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیتے۔

ایک دفعہ شام کی ایک لڑائی میں اسّی اکیاسی مسلمان رومیوں کے ہاتھوں قید ہو گئے۔ ان قیدیوں میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پیارے ساتھی حضرت عبداللہ بن حُذافہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ بڑے ڈیل ڈول کے بارعب آدمی تھے۔ رومی ان کو پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے اُن سے کہا کہ تم بہادر آدمی معلوم ہوتے ہو۔ کیا ہی اچھا ہو اگر تم ہمارا مذہب قبول کر لو۔

حضرت عبداللہ نے جواب دیا: "ہرگز نہیں۔ میں تمھارا مذہب قبول نہیں کر سکتا۔"

بادشاہ نے کہا، "اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ اگر تم نے ہمارا مذہب قبول نہ کیا تو تمھیں کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا جائے گا اور تم جل بُھن کر کباب ہو جاؤ گے۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بادشاہ کی بات کا ذرا بھی اثر نہ ہوا اور انھوں نے بے دھڑک جواب دیا:

"تم جو چاہو کرو، میں اپنا سچّا دین اسلام ہرگز نہ چھوڑوں گا۔"

اب رومی حضرت عبداللہ کو ڈرانے کے لیے ایک اور مسلمان قیدی، بادشاہ کے سامنے لائے۔

اس نے اس قیدی کو بھی اسلام چھوڑ کر عیسائی مذہب قبول کرنے کے لیے کہا۔ لیکن اس سچے مسلمان نے بھی بادشاہ کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر رومی ظالموں نے اسے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے جل بُھن کر شہید ہو گیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس کو اس طرح شہید ہوتے دیکھ کر رونے لگے۔ رومیوں نے کہا" اب موت سے ڈر کر روتے کیوں ہو؟ اب بھی وقت ہے۔ عیسائی بن جاؤ۔ ہم تمھیں چھوڑ دیں گے۔"

حضرت عبداللہ نے فرمایا:

"میں موت سے ڈر کر نہیں روتا، بلکہ اس بات پر روتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے میرے پاس صرف ایک جان ہے۔ اگر ایک جان کے بجائے میرے ہر بال کی جگہ ایک جان ہوتی تو میں ان سب جانوں کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیتا۔"

رومی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اتنا پکّا ایمان دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اب انھوں نے ان سے کہا:

"اگر تم ہمارا مذہب قبول نہیں کرتے تو نہ سہی صرف اتنا کرو کہ ہمارے بادشاہ کا ماتھا چُوم لو۔ ہم تمھیں ابھی چھوڑ دیں گے۔"

حضرت عبداللہ نے تین خدا ماننے والے بادشاہ کا ماتھا چُومنے سے بھی انکار کر دیا۔ رومیوں نے ان کو طرح طرح کے لالچ دیے، لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بات پر قائم رہے۔

آخر رومی بادشاہ نے اُن سے کہا:

"اگر تم میرا ماتھا چوم لو تو تمام مسلمان قیدی رہا کر دیے جائیں گے۔"

حضرت عبداللہ نے پوچھا" کیا یہ تمھارا پکّا وعدہ ہے؟"

بادشاہ نے کہا" ہاں۔"

اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فوراً آگے بڑھے اور بادشاہ کا ماتھا چوم لیا۔ اس پر بادشاہ نے حکم دیا کہ عبداللہؓ سمیت سارے مسلمان قیدی رہا کر دیے جائیں۔ رومیوں نے سب قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ یوں اسّی مسلمانوں کی قیمتی جانیں بچ گئیں۔

کچھ عرصے کے بعد حضرت عبداللہ بن حُذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام سے مدینہ مُنوّرہ آئے۔

اور انھوں نے یہ واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سُنایا۔ امیر المومنین اسے سُن کر اتنے خوش ہو گئے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سینے سے لگا لیا اور ان کا ماتھا چُوم لیا۔ پھر آپ نے دوسرے مسلمانوں کو بھی یہ واقعہ سُنایا اور ان سے فرمایا:

"عبداللہ بن حُذافہ کے لیے رومی بادشاہ کا ماتھا چومنا سخت مشکل اور تکلیف دینے والا کام تھا۔ لیکن انھوں نے یہ کام اپنے مسلمان بھائیوں کی جانیں بچانے کے لیے کیا۔ اس لیے تم بھی ان کے ماتھے کو چومو۔"

چناں چہ وہاں پر موجود سب مسلمانوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتھے کو چُوما اور مسلمانوں کی خاطر اُن کی قربانی کو ہمیشہ یاد رکھا۔

نونہال

متین فطرت، لاہور

ن نونہالانِ وطن کا ترجماں ہے نونہال
اُن کے افکارِ حسیں کا گلستاں ہے نونہال

و واہ یہ نظمیں یہ تحفے اور تصویریں، مزاح
جگمگاہٹ سے سبھی کی کہکشاں ہے نونہال

ن نو بہ نو گل چینیاں، خبریں، "عدالت" اور ادب
ذوقِ اعلا اور لطافت کا نشاں ہے نونہال

ہ ہر شمارہ اس کا ہے "جاگو جگاؤ" کا نقیب
طب و معلومات میں بھی ضوفشاں ہے نونہال

ا اس کا حُسنِ ظاہری و معنوی ہے لاجواب
واقعی ایک خوب صورت ارمغاں ہے نونہال

ل لازماً پاتے ہیں تربیت بھی اس سے خاص و عام
عِلم و حکمت میں اتالیقِ جہاں ہے نونہال

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر

کہانیوں کا انعامی مقابلہ

دعوۃ اکیڈمی، عام اسلامی لٹریچر کی تیاری کے ساتھ ساتھ اسلامی قدروں کو فروغ دینے کے لیے دل چسپ اور سبق آموز کتب کی تیاری اور اشاعت کا کام بھی کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں، ۱۲ ربیع الاوّل کی مناسبت سے کہانیوں کا انعامی مقابلہ منعقد کیا جا رہا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا وہ پہلو، جس نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہو، اس پہلو کو مرکزی خیال بنا کر کہانی لکھی جائے۔ مضامین مقابلے میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

انعامات کی تفصیل ۱۳ انعامات

- پہلا انعام: ۱۵۰۰ روپے ● دوسرا انعام: ۱۰۰۰ روپے ● تیسرا انعام: ۵۰۰ روپے
- ۱۰ خصوصی انعامات: دل چسپ اسلامی کتب پر مشتمل کتب کے سیٹ بطور انعام دیے جائیں گے۔

مقابلے میں شرکت کے لیے شرائط

- تمام مسودات اکیڈمی کی ملکیت ہوں گے۔
- مسودات کاغذ کے ایک طرف، خوش خط تحریر کیے جائیں۔
- مسودات آسان، عام فہم اور دل چسپ ہونے چاہییں۔
- مسودات اردو زبان میں کم از کم دس فل اسکیپ صفحات پر مشتمل ہونے چاہییں۔
- ایک فرد، ایک سے زیادہ کہانیاں مقابلے کے لیے بھیج سکتا ہے۔
- مقابلہ میں طلبہ وطالبات کے علاوہ ہر عمر کے خواتین وحضرات بھی حصہ لے سکتے ہیں۔
- مسودات کے ساتھ اپنا مکمل نام و پتا اور تعلیمی استعداد ضرور لکھیں۔
- انعامی مسودات کا فیصلہ منصفین کی کمیٹی کرے گی، جس کا فیصلہ حتمی ہوگا۔
- مسودات بھجوانے کی آخری تاریخ ۱۵ دسمبر ۱۹۸۸ء ہے۔
- مسودات درج ذیل پتے پر روانہ کریں:۔

شعبہ بچوں کا ادب

دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی پوسٹ بکس نمبر ۱۴۸۵، اسلام آباد

PID (1) Sasa Ibd.

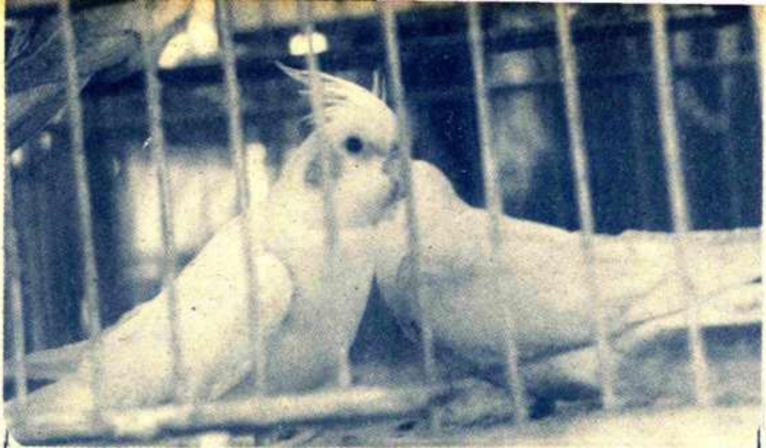

توتوں کا تماشا

فیض لودھیانوی

گر تجھ کو ہے چسکا توتوں کا
آ دیکھ تماشا توتوں کا

مجمع میں ایک مداری نے
کھولا ہے پنجرا توتوں کا

پنجرے کے پاس ہی گاڑا ہے
چھوٹا سا جھنڈا توتوں کا

مُفلس نے روزی کی خاطر
چھیڑا ہے دھندا توتوں کا

پنچھی تو بہت سے ہیں لیکن
جگ بھر میں ہے چرچا توتوں کا

انسانوں کی نقّالی میں
درجہ ہے اونچا توتوں کا

اِس نظم میں جیسے لکھا ہے
یہ ٹھیک ہے اِملا توتوں کا

کس کس کی میں تعریف کروں
ہر کھیل ہے اچھا توتوں کا

وہ جلتی آگ کے چکّر سے
بے خوف گزرنا توتوں کا

منھ مانگے تاش کے پتّوں کو
چونچوں سے اُٹھانا توتوں کا

سب باری باری جھولتے ہیں
کیا خوب ہے جُھولا توتوں کا

آخر میں توپ کو داغیں گے
چُھوٹے گا گولا توپوں کا

اے فیض ہُنر کی دنیا میں
بجتا ہے ڈنکا توتوں کا

قائدِ اعظم

عاصمہ گل عصمی، لاہور

اے ہمارے سربراہِ بے مثال
یہ وطن ہے تیری دانش کا کمال

تھا ترا کردار مثلِ آئینہ
شخصیت میں تھا ترے حُسن و جمال

تھی سیاست پُر تری اخلاص سے
تجھ کو ٹوکے کس میں تھی اتنی مجال؟

تیرے عزمِ آہنی کے سامنے
جُھک گیا انگریز کا جاہ و جلال

فخر سے سَر تُو نے اُونچا کر دیا
ہم تھے گرچہ مُدّتوں سے خستہ حال

تجھ پہ نازاں کیوں نہ ارضِ پاک ہو
تجھ سے رہبر جس نے دیکھے خال خال

سَر بلند اس قوم کو تُو نے کیا
جس کے دامن میں نہ تھا مال و مَنال

خدمتِ قوم و وطن کی عمر بھر
پَر نہ آیا تیرے چہرے پر مَلال

آخری دَم تک وطن کی فکر کی
کر گئی تھی گرچہ بیماری نڈھال

بچّہ بچّہ بن گیا تصویرِ غم
جب ہوا تھا تیرا بابا، انتقال

عظیم قائد

نازش پرکاش کمار، شہداد کوٹ

قائداعظم محمد علی جناح تاریخ میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ آپ نہ صرف مشکلوں پر قابو پانے اور غلامی کی زنجیریں کاٹ کر رکھ دینے میں کام یاب ہوئے، بلکہ قوموں کی برادری میں بھی ایک نئے رکن کا اضافہ کر گئے۔ پاکستان قائداعظم کا یقیناً ایک عظیم کارنامہ ہے۔ سر آغا خان اپنی سوانح عمری میں قائداعظم کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

"مجھے اپنی زندگی میں دنیا کے بے شمار مدبّروں اور سیاسی رہنماؤں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ لیکن کسی شخص کو میں نے کردار کی مضبوطی، عزم کی پختگی اور تدبّر کے لحاظ سے جناح سے بڑا نہیں پایا۔"

قائداعظم کی ایک اور بڑی بلکہ بہت بڑی عظمت یہ ہے کہ وہ ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جس کا ماضی میں کوئی تاریخی کردار نہ تھا۔ لیکن خود بہت بڑا تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ انھیں ابتدائی زندگی میں ہی مسئلوں اور مصیبتوں کا کچھ اس طرح سامنا کرنا پڑا کہ سنجیدگی ان کے مزاج کا حصہ بن گئی۔ چناں چہ بڑی سے بڑی کام یابی اور بڑی سے بڑی ناکامی بھی آپ کی سنجیدگی کے گہرے رنگ کو کبھی متاثر نہ کر سکی۔ اگر جوش میں ہوتے تو صرف ایک اچھی سی مسکراہٹ سے اس کا اظہار کرتے۔ قائداعظم نے اپنی ہر ذمے داری کو بڑی سنجیدگی سے پورا کیا۔

قائداعظم نے اپنا طالبِ علمی کا زمانہ اور زندگی کا کافی حصہ یورپ میں گزارا، لیکن آپ مغرب پسند نہ بنے۔ یقیناً یہی وہ جذبہ تھا جس نے برصغیر کے عوام کو مغربی سامراج سے نجات دلا کر آزادی جیسی عظیم نعمت عطا کی۔ برصغیر کے مسلمانوں پر قائداعظم کا یہ عظیم احسان تھا کہ آپ نے ایک بکھری ہوئی قوم کو ایک جگہ جمع کیا اور اتحاد و تنظیم اور یقینِ محکم کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔

قائد اعظم کی دلی خواہش تھی کہ مسلمان تاریخ و روایات اور تہذیب و تمدّن کے مطابق پُروقار زندگی بسر کر سکیں۔ اگرچہ آپ دُبلے پتلے بدن کے مالک تھے، مگر قدرت نے آپ کو جس خود اعتمادی اور فولادی عزم سے نوازا تھا اس کی وجہ سے بڑے بڑے قد آور لوگ بھی آپ کے سامنے بونے نظر آتے تھے۔ اصفہانی صاحب اپنی یادداشتوں میں قائد اعظم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ایک روز شام کے وقت میں قائد کے خاص معالج ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش سے ملا اور ان سے کہا کہ آپ قائد اعظم کو ایسے کاموں کو کرنے کے لیے منع کریں جو دوسرے بھی کر سکتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ میرے مریض بہت ضدی واقع ہوئے ہیں۔ وہ میری نصیحت پر بالکل کان نہیں دھرتے۔ میں نے فائلوں اور سکریٹری کو ان کے کمرے سے دُور رکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔"

قائد اعظم صحیح معنوں میں عوامی لیڈر تھے۔ آپ کے آنے سے پہلے مسلم لیگ نوابوں اور جاگیرداروں کی جماعت تھی۔ آپ نے عوام کا تعاون حاصل کر کے اسے ایک عوامی جماعت بنایا۔ اگر آپ کی زندگی کچھ اور وفا کرتی تو پاکستان آج پتا نہیں کہاں سے کہاں پہنچ جاتا۔

ہمارے پڑوسی

رؤف پاریکھ

سُنتے ہیں کہ اچھے پڑوسی اللہ کی نعمت ہیں، لیکن یہ بات شاید ہمارے پڑوسیوں نے نہیں سُنی۔ ہم نہیں کہتے کہ ہمارے پڑوسی اچھے نہیں ہیں۔ صرف آپ کے سامنے ایک نقشا سا کھینچتے ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ ہمارے پڑوسی کیسے ہیں۔

سب سے پہلے مرزا صاحب کو لیجیے۔ یہ حضرت ریڈیو بجانے کے بے حد شوقین ہیں، بلکہ یوں لگتا ہے کہ مارکونی صاحب کو ریڈیو ایجاد کرنے کا خیال مرزا صاحب کے ذوق و شوق کو دیکھ کر ہی آیا تھا۔ اللہ جھوٹ نہ بُلوائے تو چوبیس گھنٹوں میں سے کوئی بائیس گھنٹے ان کا ریڈیو بجتا ہے بلکہ چیختا ہے اور پورے زور و شور سے چیختا ہے۔ ان کو غالباً ریڈیو کی آواز کم کرنے کا طریقہ نہیں معلوم۔ اسی لیے تمام محلّے والوں نے اپنے اپنے ریڈیو بیچ کر رُوئی کے بنڈل خرید لیے ہیں اور روئی نکال نکال کر کانوں میں ٹھونستے رہتے ہیں۔ ان کے ریڈیو پر دنیا بھر کے دُور دراز کے ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر ہونے والے پروگرام پورا محلّہ (روئی ٹھونسنے کے باوجود) آسانی سے سُن لیتا ہے۔ البتہ قریب کھڑے ہوئے آدمی کی آواز نہیں سُنائی دیتی۔

قریشی صاحب بھی کچھ اسی قسم کا شوق رکھتے ہیں۔ انھیں موسیقی سے بہت لگاؤ ہے، لیکن

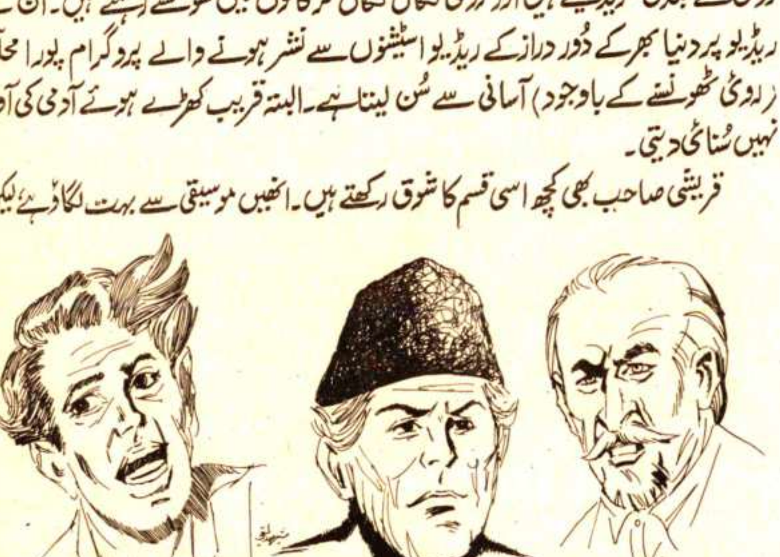

فرصت انھیں آدھی رات کے بعد ہی نصیب ہوتی ہے، اس لیے یہ ٹھیک اسی وقت ستار، ہارمونیم اور طبلہ وغیرہ بجانا شروع کرتے ہیں جب مرزا صاحب کا ریڈیو بند ہوتا ہے۔ اس طرح ہمارے محلّے میں چوبیس گھنٹے بجلی، پانی اور گیس کی سہولت کے ساتھ موسیقی بھی چوبیس گھنٹے دست یاب ہے۔

محلّے میں آدھی رات کو رونق میں مزید اضافہ اس وقت ہوجاتا ہے جب جمالی صاحب کے دوستوں کی محفل جمتی ہے۔ اس محفل میں خوب خوب قہقہے لگائے جاتے ہیں اور وہ اُدھم مچتا ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ کبھی کبھی اُن کے دوستوں میں سے کوئی صاحب تانیں بھی اُڑاتے ہیں۔ اس سارے ہنگامہ ہاؤ ہو سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ محلّے میں رات بھر کوئی چور پاس پھٹک تک نہیں سکتا۔

اس سارے شور شرابے پر جلالی صاحب البتہ بہت خفا ہوتے ہیں۔ جلالی صاحب کئی سال یورپ میں رہ چکے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یورپ کے کسی شہر میں یہ سارا شور و غل ہو تو فوراً پولیس آجائے اور ان بدتمیزوں کو پکڑ کر لے جائے۔ ان کا کہنا ہے کہ یورپ میں لوگ رات دس بجے کے بعد سیڑھیاں بھی دبے قدموں چڑھتے اُترتے ہیں تاکہ گھروں میں سوتے ہوئے لوگوں کی نیند خراب نہ ہو۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ اکھی جلالی صاحب کی موٹر سائکل میں سائلنسر یعنی شور کم کرنے والا آلہ نہیں ہے۔ نتیجہ یہ کہ یہ حضرت جب موٹر سائکل پر سوار ہو کر آتے جاتے ہیں تو پھٹ پھٹ کا ایک ایسا کان پھاڑ دینے والا شور سُنائی دیتا ہے کہ

قبر میں پڑے مُردے بھی سُن لیں تو ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھیں یا کم از کم کروٹ تو ضرور لیں۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ان سے پوچھیں کہ اگر ایسی موٹر سائکل یورپ کے کسی شہر میں چلائی جائے تو کیا ہو؟ کیا وہاں پولیس ایسے بدتمیزوں کو انعام دیتی ہے؟

نازک صاحب بھی مزے کے آدمی ہیں۔ انھیں جانور پالنے کا شوق ہے۔ ان کے گھر کے باہر ایک بکرا، دو بھینسیں اور ایک ہرن بندھا رہتا ہے۔ گھر کے صحن میں مور اور بطخیں ہیں اور گھر میں کسی جگہ توتے، چڑیاں، بُلبُلیں اور نہ جانے کون کون سے پرندے پال رکھے ہیں۔ غرض گھر کیا ہے اچھا خاصا چڑیا گھر ہے۔ نازک صاحب ان تمام حیوانات کی غلاظت اور اپنے گھر کا کوڑا بڑی پابندی سے روزانہ گھر سے باہر سڑک پر پھینکتے ہیں اور پھر شکایت کرتے ہیں کہ شہر میں گندگی بڑھتی جارہی ہے، لوگ صفائی کا خیال نہیں کرتے، وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے ایک اور پڑوسی طفیلی صاحب کی عادت ہے کہ وہ اکثر چیزیں اُدھار مانگتے ہیں۔ مثلاً استری، اخبار، جھاڑو، برتن، کتابیں، تھوڑی سی چائے کی پتّی، ذرا سا آٹا، صرف ایک انڈا، معمولی سا نمک، چٹکی بھر کالی مرچ وغیرہ۔ اور بے چارے اکثر واپس کرنا بھول جاتے ہیں۔ ایک دفعہ وہ ہماری بجلی کی استری کئی دن تک استعمال کرتے رہے اور ہم بڑی مشکل سے مانگ کر واپس لائے تو اگلے دن آموجود ہوئے کہ "ہماری" استری واپس کیجیے۔ خاصی مغز ماری کے بعد انھیں یاد آیا کہ وہ استری ان کی نہیں اصل میں ہماری تھی اور کافی عرصے ان کے گھر میں رہنے کی وجہ سے انھیں اپنی لگنے لگی تھی۔

ہمارے پڑوسیوں کی فہرست خاصی لمبی ہے اور ان سب کی دل چسپ عادتیں بیان کی جائیں تو دفتر کے دفتر بھر جائیں۔ لیکن ہم یہ سوچ کر اس مضمون کو ختم کیے دیتے ہیں کہ آخر ہم بھی تو کسی کے پڑوسی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ان کو بھی ہم سے کچھ شکایتیں ہوں۔ اگرچہ ہم پوری کوشش کرتے ہیں کہ کسی پڑوسی کو ہماری وجہ سے کوئی تکلیف نہ ہو، کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس شخص کی شرارتوں سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہو وہ مومن نہیں۔

نونہال دوستو! امید ہے کہ آپ وہ سب نہیں کرتے ہوں گے جو ہمارے پڑوسی کرتے ہیں۔

Adarts-NGW-4/R

ظفر کی ڈائری

ارشد تھانوی

ظفر کوئی گیارہ برس کا لڑکا تھا، ویسے تو لکھنے پڑھنے کا شوقین تھا۔ مگر تھا بہت شریر۔ بس ہر وقت گھر میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ کرتا رہتا۔ محلّے کے بچّوں کو چھیڑتا۔ اس کے ابّا اگر کوئی نئی چیز لاتے تو اس کو اُلٹ پلٹ کر خراب کر ڈالتا۔ یوں تو ظفر کے ابّا اس کے لکھنے کے شوق اور ذہانت سے خوش تھے، مگر اس کی شرارتوں سے پریشان بھی ہو جاتے اور بڑی محبت سے اُسے سمجھاتے کہ شرارتیں کرنا بری بات ہے۔ ظفر ابّا کی باتیں غور سے سنتا۔ اس وقت تو وہ مان جاتا مگر چوں کہ اپنی عادت سے مجبور تھا، اس لیے اپنی حرکتوں سے باز نہ آتا۔

اس کے ابّا کو ڈائری لکھنے کا بہت شوق تھا۔ ڈائری اس چھوٹی کتاب کو کہتے ہیں جس میں روزمرّہ ہونے والے حالات لکھے جاتے ہیں۔ ایک دن ظفر نے ان سے پوچھا کہ آپ روز رات کو اس کتاب میں کیا لکھتے ہیں۔ کسی روز تو اس میں دو چار سطریں لکھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور کبھی رات گئے تک لکھتے چلے جاتے ہیں۔ ظفر کے ابّا نے جواب دیا، بیٹا، جس روز کوئی خاص بات نہیں ہوتی اس روز زیادہ نہیں لکھتا، جب کوئی خاص بات ہوتی ہے یا نئی نئی معلومات ہوتی ہیں وہ لکھتا رہتا ہوں۔ تم اگر روز اسے پڑھتے رہو تو تمھیں بہت سی کام کی باتیں معلوم ہو جایا کریں گی۔ ظفر بولا، میں نے کئی دفعہ اسے پڑھا ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی روزنامچہ لکھا کروں، مگر کوئی ایسی بات ہی نہیں ہوتی جو میں ڈائری لکھا کروں۔ یہ تو لکھنے کی بات نہیں کہ میں اسکول گیا، واپس آیا، کھانا کھایا کھیلا کودا اور بس، یہ تو روز ہی ہوتا ہے۔ ظفر کے ابّا جان نے کہا، ایسا لکھنے میں کچھ حرج بھی نہیں۔ تم کبھی کبھی اسکول کا ناغہ بھی کرتے ہو۔ طبیعت خراب ہوتی ہے یا کاہلی سے تم وقت پر نہیں پہنچتے۔ چھٹّی کا دن بھی ہر ہفتہ آتا ہے۔ اُس روز تم کیا کام کرتے ہو۔ یہ سب باتیں اگر سچ سچ لکھو تو بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔ کسی پڑوسی لڑکے سے چھیڑ چھاڑ ہوئی۔ اسکول کے کسی ساتھی کو خفا کر دیا۔ یا کسی مہمان سے ایسی بات کہی جو اسے پسند نہ تھی۔ تمھاری امّی خفا ہیں۔ ڈانٹ پڑی۔ تمھارے دل پر اس کا کیا اثر ہوا۔ اگر یہ سب باتیں ایمان داری سے لکھ کر آخر میں اپنی رائے

بھی لکھ دیا کرو تو ایک بڑی سچی اور عمدہ کتاب بن جائے گی۔ اتنا کہہ کر ظفر کے ابّا نے اس سے پوچھا، بتاؤ ڈائری لکھا کرو گے نا؟ ابھی اس نے جواب نہ دیا تھا کہ اس کے ابّا اُٹھے اور الماری میں سے ایک لال جلد کی چھوٹی سی ڈائری لے آئے اور ظفر کو دے کر کہا، یہ لو اس کے پہلے صفحے پر بسم اللہ کر کے لکھو:

ننّھے ظفر کا ننّھا روزنامچہ۔

ظفر نے ابّا کے حکم کی تعمیل کی اور کہا کہ میں آج ہی سارے دن کا حال اس میں رات کو لکھوں گا۔

رات کو جب وہ ڈائری لکھنے بیٹھا تو یاد آیا کہ اسکول کے دروازے پر اس نے ایک لڑکے رفیق کو جو آگے جا رہا تھا دھکّا دیا تھا، جس سے اس کی کتابیں گر گئی تھیں۔ اس بات پر لڑائی بھی ہو گئی تھی۔ پھر چھٹّی کے وقت رفیق نے اس سے بدلا لیا تھا اور خوب اس کی پٹائی کی تھی۔ ایسی ہی کئی باتیں اسے یاد آئیں وہ سوچنے لگا کہ انہیں لکھوں یا نہ لکھوں۔ پھر اسے اپنے ابّا کی بات یاد آگئی کہ سب کچھ سچ سچ لکھو۔

وہ اپنی غلطیوں پر شرمندہ تو تھا ہی لیکن پھر بھی اس نے ہر بات سچ سچ لکھی اور پھر سو گیا۔ دوسرے دن پھر رات کو اس نے ڈائری لکھی:

"آج بھی رفیق انتظار میں تھا کہ میں اس سے بدلا لینے پر لڑوں گا، مگر میں نے اسے سلام کیا اور پاس سے نکلتا چلا گیا۔ وہ حیران رہ گیا۔ میں اپنی جگہ جا پہنچا اور کتابیں کاپیاں ڈیسک پر رکھ دیں۔ پھر پیاس جو لگی تو پانی والے کمرے میں گیا۔ واپس آ کر دیکھا کہ ایک دوسرا لڑکا میری جگہ پر بیٹھا ہوا ہے اور میری کتابیں وغیرہ اس جگہ سے ہٹا دی ہیں، لیکن میں نے اس سے کچھ نہیں کہا اور اپنی چیزیں اٹھا کر پچھلی قطار میں جا بیٹھا۔ چھٹّی ہونے پر یہ دونوں لڑکے بڑی محبت سے ملے اور پوچھا آج تم اتنے شریف کیوں بن گئے۔ میں نے بتایا کہ ابّا کے کہنے پر ڈائری لکھنے لگا ہوں۔ کل کی باتیں لکھ کر مجھے بہت شرم آئی تھی۔ آج خوش ہو کر ڈائری لکھوں گا اور اب یہ باتیں لکھ کر مجھے اطمینان ہو گا اور مجھے بُرے بھلے کی سمجھ آ چکی ہے۔"

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مونگے یا مرجان

ڈاکٹر منظور احمد

مونگے یا مرجان (CORALS) سمندر میں ایسے ننھے ننھے ہزاروں حیوانات کی اکھٹی آبادیوں سے مل کر بنتے ہیں جن میں پوری آبادی ایک درخت کے تنے کی طرح (شکل ۔ ۱) شاخ در شاخ تقسیم ہو کر پھیلتی چلی جاتی ہے ۔ اور پالپ (POLYP) کی شکل کے ننھے ننھے حیوان ان شاخوں پر پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں، لیکن اصل آبادی سے الگ نہیں ہوتے ۔ ہر پالپ نُما حیوان اپنے اِر گرد ایک معدنیاتی خول بنا لیتا ہے ۔ (شکل ۔ ۲) جس کی وجہ سے وہ دوسرے حیوانوں سے جُڑ جاتا ہے ، اور الگ نہیں ہو سکتا ۔ یہ خول جس معدنیاتی مادّے کا بنا ہوتا ہے اُس میں ۹۹ فی صد کے لگ بھگ چُونے کے پتھر والا مُرکّب یعنی کیلشیم کاربونیٹ ہوتا ہے ۔ جب آبادیوں میں افراد کی تعداد ہزاروں سے آگے بڑھتی تو ان کے خارج کردہ کیلسیئم کاربونیٹ کے خول ایک دوسرے سے مِل کر سخت پتھر جیسی ستہ بنا دیتے ہیں ، جو مزید بڑھتی ہے تو چٹان کی شکل نکل آتی ہے ۔ انھیں مونگوں کی چٹانیں کہا جاتا ہے ۔ جُوں جُوں شاخ در شاخ مرجان کی آبادیاں پھیلتی جاتی ہیں تو شاخوں کے آپس میں ملنے سے انتہائی پیچیدہ بھول بھلیوں کی شکل نکل آتی ہے ۔ ان میں پالپ نُما حیوان اُن باریک سوراخوں کے اندر ہوتے ہیں جو غور سے دیکھنے سے کیلسیئم کاربونیٹ کے خول کے اندر نظر آتے ہیں ۔ جیسے جیسے مونگوں کی آبادی پُرانی ہوتی جاتی ہے پتھریلا چٹانی حصّہ بڑھتا جاتا ہے ۔ پُرانے افراد مرتے جاتے ہیں اور نئے پالپ آبادی کے آخری کناروں پر چاروں طرف پیدا ہوتے جاتے ہیں ۔

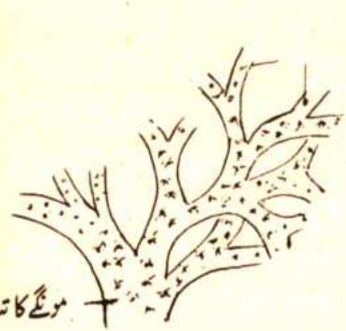

شکل ۔ ۱ مونگے کی آبادی کا ایک چھوٹا سا حصّہ

اگرچہ فنجیا (FUNGIA) قسم کے پتھریلے مونگے نرم سطح پر زندہ رہتے ہیں۔ (شکل۔۳)
لیکن اکثر مونگوں کو پھلنے پھولنے کے لیے سمندر کے اندر سخت پلیٹ فارم درکار ہوتا ہے جو سمندر کے اندر موجود کوئی بھی عام چٹان ہو سکتی ہے یا ڈوبے ہوئے جہازوں کے سخت حصّے بھی مونگوں یا مرجان کی نمو کے لیے موزوں ہو سکتے ہیں۔ ویسے تو مونگے سمندر کی گہرائی میں ۶۰۰۰ میٹر کی گہرائی تک ملتے ہیں، لیکن جو مونگے چٹانیں بناتے ہیں اُن کی نمو کی اصل شان صرف اس وقت نظر آتی ہے جب وہ ۴۰ میٹر سے کم گہرائی میں ہوں۔ اس سے زیادہ گہرے پانی میں اُن کی نمو کی رفتار کم ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ ۹۰ میٹر گہرے پانی میں وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ مونگوں کے اندر موجود پالپ حیوانات جو کالونی کی نمو کا موجب بنتے ہیں وہ بعض کائیوں (ALGAE) کی مدد سے بڑھنے، پھیلنے اور زندہ رہتے ہیں۔ کائی صرف سورج کی روشنی میں اپنی کارروائی جاری رکھ سکتی ہے۔ ۹۰ میٹر گہرائی پر چوں کہ روشنی میسّر نہیں آتی، اس لیے کائی بھی بے حس پڑی رہتی ہے۔ مونگے بھی زندہ نہیں رہ سکتے اور اُن کی چٹانیں بھی نہیں بنتیں۔

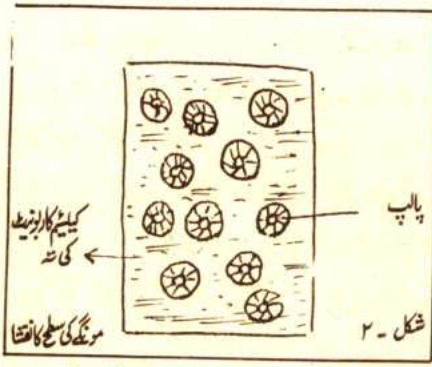

شکل ۔ ۲

مونگے یا مرجان بہت خوب صورت اور چمک دار رنگوں کے ہوتے ہیں۔ ان میں موجود پالپ حیوان تیز روشن سُرخ، سبز یا نیلے رنگوں کے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر پالپ کا رنگ بھورا، زرد یا ہلکا سبز ہوتا ہے۔ ان کے رنگ ان کے اندر رہنے والی ایک کائی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ کائی مونگوں کے بہت کام آتی ہے۔ یہ پالپ کو نمو کے لیے وٹامن اور ہارمون (HORMONE) مہیا کرتی ہے۔ سانس لینے کے لیے اوکسی جن پہنچاتی ہے اور پالپ کے بول و براز (پیشاب پاخانہ) کو نکال باہر کرتی ہے۔ اور جب مونگوں میں کیلشیم کاربونیٹ کا خول بن رہا ہو تو اس کے لیے ماحول میں سے کاربن ڈائی اوکسائڈ کو اکھٹا کرتی ہے۔ مونگے اکثر ایک باقاعدہ تسلسل کے ساتھ نہیں بڑھتے، بلکہ وقفوں کے بعد ان میں ایک دم بڑھنے کا رجحان نظر آتا ہے جو پھر آہستہ ہو جاتا ہے۔ بہت سے مونگے سال میں چاروں طرف ڈیڑھ فٹ پھیل جاتے ہیں، لیکن کچھ میں نمو کی رفتار اس سے

زیادہ اور کچھ میں کم ہوتی ہے۔ اس لیے مونگوں کی چٹانوں والے سمندروں میں سفر کرنے والے بحری جہازوں کو ہمیشہ یہ خطرہ درپیش رہتا ہے کہ وہ راستہ جو اُن کے سفر کے لیے محفوظ تصوّر کیا جاتا ہے، ممکن ہے چند سالوں کے اندر مونگوں کی چٹانیں نمو پاکر اُن میں پھیل جائیں اور اُس راستے کو غیر محفوظ کر دیں۔ ان چٹانوں کی نمو کا رُخ لہروں کی سمت اور آبی رووں کی وجہ سے بھی بدل جاتا ہے۔

مرجان کے حیوان یعنی پالپ کی خوراک میں زیادہ تر پیراکیے (PLANKTONS) سمندر کی تہ میں رہتے ہوئے قشریے (CRUSTACEANS) اور سروے (WORMS) وغیرہ شامل ہیں۔ عام طور پر پالپ رات کے وقت غذا تلاش کرتے ہیں جس کے لیے یہ اپنے پتھریلے خول میں سے منھ باہر نکال کر غذائی مادّے جمع کرتے ہیں۔

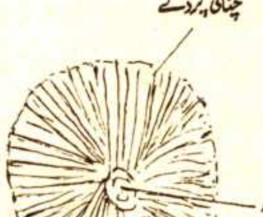

شکل ۳ فنجیا مرجان (اکیلا)

مرجان یا مونگوں کے اندر زندہ حیوان یعنی پالپ اپنا دفاع نہیں کر سکتے۔ ان کے اندر موجود کوڑوں والے خلیے بھی کم زور اور دشمنوں کے لیے بے اثر ہوتے ہیں۔ جب پالپ کو خطرہ درپیش ہوتا ہے تو اُس کے لیے بچاؤ کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ سُکڑ کر پتھریلے خول کے اندر واپس چلا جائے۔ تاہم ان کے دشمن صرف چند ہیں۔ ان کی سب سے خطرناک دشمن ایک ستارہ مچھلی (اسٹار فش) ہے جو آناً فاناً میں نمودار ہوتی ہے اور مونگوں کی بڑی بڑی آبادیوں کو اُجاڑ دیتی ہے۔ یاد رہے کہ ستارہ مچھلی اصل مچھلی کی طرح کا حیوان نہیں، بلکہ ستارے کی طرح کا پانچ یا زیادہ بازوؤں والا رینگنے والا ایک حیوان ہے جو سمندر کی تہ میں رینگ کر غذا حاصل کرتا ہے۔ اس ستارہ مچھلی نے دنیا کے کئی سمندروں سے مونگوں کی آبادیوں کو ناپید کر دیا ہے۔

مونگے یا مُرجان اپنے خوب صورت، پرکشش اور پائیدار رنگوں کی وجہ سے انسانی تہذیب میں پرانے زمانے سے خاص اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ ہزاروں سال سے انھیں سجاوٹ کے لیے اور زیورات میں جڑنے کے استعمال کیا جا رہا ہے۔ بعض ..لہ سال قبلِ مسیح کے دفینوں میں مُرجان کو سینے پر سجائے جانے بروچوں میں، خودوں میں، بازوؤں پر باندھے جانے والے چھلّوں میں

اور گھوڑوں کی زینوں کو کسنے والی پیٹیوں میں سجاوٹ کے لیے لگا ہوا دیکھا گیا ہے۔ یورپ میں قیمتی مرجان کا استعمال پندرھویں صدی سے شروع ہوا اور ان کو گلے کے ہاروں اور کانوں کے بُندوں میں سجایا جانے لگا۔ چین اور جاپان میں اس سے بھی پہلے مرجانوں کا استعمال

شکل ۔۴ الف

شروع ہو چکا تھا۔ انیسویں صدی میں جاپان میں استعمال ہونے والے مرجان بحیرۂ روم اور ملایا کے سمندروں سے لے جائے جاتے تھے۔ مشہور سیّاح مارکوپولو کا کہنا ہے کہ تیرھویں صدی میں تبّت کے شہروں میں مرجان زرِ مبادلہ (کرنسی) کے طور پر استعمال ہوتے رہے ہیں، حال آنکہ مدّتوں سے کئی مصنوعی مگر بہت خوب صورت مشینی چیزیں فیشن کے طور پر موجودہ دَور میں استعمال ہو رہی ہیں، لیکن اس کے باوجود مرجان کی مانگ میں کمی نہیں آئی۔ موجودہ زمانے میں حکومتوں نے مونگوں کی چٹانوں کو تباہی سے بچانے کے لیے پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ اس لیے دنیا میں مرجانوں کی بیش تر تجارت غیر قانونی طور پر حاصل کردہ مال سے ہو رہی ہے۔ پتھریلی چٹانوں سے مونگوں کے خوب صورت ٹکڑوں کو توڑ کر سطحِ سمندر تک لانے کے لیے بڑے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ فرانسیسی، اٹالین اور یورپ کے دوسرے ساحلوں کے قریب سے تو خوب صورت مونگوں کو کھنگال کر بالکل ہی خالی کر دیا گیا ہے۔ آج کل غوطہ خوروں کی بڑھتی ہوئی مہارت اور سائنسی ایجادات سے بے حد محفوظ غوطہ خوری سے اب وہ مونگے بھی انسانی ہوس کی زد میں آ گئے ہیں جو سمندر کی تہ کی دراڑوں یا غاروں میں ہونے کے باعث پہلے انسان کی پہنچ سے باہر تھے، اس لیے مدّتوں سے حفاظت سے نمو پا رہے تھے اور اب انسان اس قابل ہو گیا ہے کہ بے حد ننھے ننھے مرجانوں کو بھی صفائی سے نکال کر بازار میں فروخت کے لیے لے آئے۔

شکل ۴۔ دو قسم کے مونگے

شکل ۔۴ ب

قدیم دور میں مونگوں میں بیماریوں سے شفایابی کی زبردست قوت کے موجود ہونے کا بھی تصور پایا جاتا تھا۔ اُنیسویں صدی تک عوام میں یہ خیال ملتا تھا کہ مونگے ہر بیماری کا علاج ہیں۔ گلے اور کان کے گرد چھلّے جن میں مرجان جَڑے ہوتے تھے اس لیے پہنے جاتے تھے تاکہ وہ بیماری کو انسان کے اندر سے کھینچ کر باہر نکال دیں اور پہننے والے کو بُری نظر سے محفوظ رکھیں۔ بعض کے نزدیک مرجانوں کے اندر جادوئی طاقت تھی، اس لیے ان کو جنگی ساز و سامان میں جَڑا جاتا تھا۔ خاص طور پر مرجان تلواروں کے دستوں اور نیاموں میں جَڑے جاتے تھے، تاکہ وہ اپنے جادو کے اثر سے ان کے مالک کو فتح دِلا دیں۔ اس قسم کی وہموں سے بھی لوگوں میں مونگوں کی بہت قدر و منزلت تھی جو مونگوں کی چٹانوں کے لیے سراسر نقصان دہ تھی۔

مونگے یا مرجان دنیا کے سمندروں میں خطِ اُستوا کے شمال اور جنوب میں ۳۰ درجے شمالی اور ۳۰ درجے عرض بلد کے درمیان کثرت سے ملتے ہیں اور جن پانیوں میں اوسط درجۂ حرارت ۲۳ ۲۵ سینٹی گریڈ (= ۶۸ درجے فارن ہائیٹ) ہو، لیکن ۲۰ سینٹی گریڈ سے کم نہ ہو۔ وہاں مونگے اور مرجان خوب ملتے ہیں۔ بحرِ ہند اور بحرالکاہل تو مونگے کی چٹانوں کے لیے بہت موزوں اور مناسب ہیں۔ بحرالکاہل کے بہت سے جزیرے تو مکمل طور پر مونگے کی چٹانوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ باقی جزیروں کے ساحلی سمندر بھی اسی قسم کی چٹانوں سے بھرے پڑے ہیں۔ دنیا کی سب سے بڑی مونگے کی چٹانیں اوسٹریلیا کے ساحل شمالی کوئنز لینڈ کے مشرق کے ساتھ ساتھ ۱۲۵۰ میل لمبی پٹّی کی شکل میں پائی جاتی ہیں، جو اوسٹریلیا کے ساحل کے ساتھ ۱۰ سے ۹۰ میل کے فاصلے پر مسلسل دکھائی دیتی ہے۔ اس کے کناروں کے ساتھ ساتھ ہر طرف کروڑوں زندہ پالپ اس کی وسعت کو بڑھاتے رہتے ہیں۔ ایک اور مونگے کے بنے ہوئے جزیرے مالدیپ (جو بحرِ ہند میں واقع ہے) کے متعلق اندازہ ہے کہ زندہ مونگوں نے اس میں موجود کیلسیئم کاربونیٹ کو ۴ لاکھ سے ۲۰ لاکھ سال میں پیدا کیا ہوگا۔ بے شک مونگے یا مرجان بھی قدرت کے حیرت انگیز عجائبات میں سے ایک ہیں۔

مونگوں کی وسیع و عریض آبادیوں میں ہزاروں قسم کے مونگے ہی نہیں ہوتے، بلکہ ان کی بنائی ہوئی پیچ در پیچ اور رنگا رنگ چٹانوں کے اوپر اور اندر سیکڑوں دوسری قسموں کے حیوانات آکر رہنے لگتے ہیں۔ کچھ وقتی طور پر ان چٹانوں کی بھول بھلیوں میں پناہ لیتے ہیں۔ غرض مونگوں کی چٹانوں کے درمیان ایک الگ دنیا بن جاتی ہے اور ان کا اپنا ماحولی نظام منظم ہو جاتا ہے۔ جن کے مکمل مطالعے کے لیے بہت لمبے عرصے کی ضرورت ہے۔

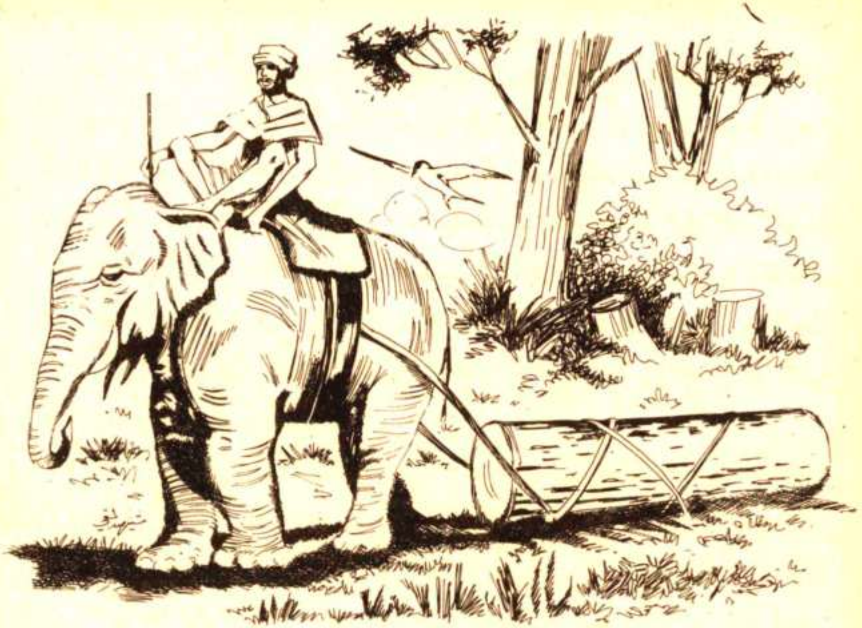

کام کرنے والے ہاتھی

ریحانہ ظفر

ہاتھی زمین پر پایا جانے والا سب سے بڑا جانور ہے۔ یہ دنیا کے بہت سے علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ ہر سال ہزاروں افریقی ہاتھی اپنے قیمتی دانتوں کی وجہ سے بڑی بے رحمی سے مار دیے جاتے ہیں، لیکن دنیا میں ایک جگہ ایسی بھی ہے جہاں ان کی بڑی عزت کی جاتی ہے اور ان سے بہت محبّت کی جاتی ہے۔ وہ جگہ ہے تھائی لینڈ جس کا پُرانا نام سیام ہے۔ اس ملک میں تقریباً بارہ ہزار ہاتھی لکڑی کا کام کرتے ہیں۔ ان کی وجہ سے چھتیس ہزار افراد کو روزگار ملا ہوا ہے۔ تھائی لینڈ کے ہاتھی بڑے ذہین ہوتے ہیں۔ یہ اپنے مالک اور مہاوت دونوں سے بہت محبّت کرتے ہیں۔ یہ افریقی ہاتھی سے زیادہ ذہین اور صلاحیت والے ہوتے ہیں۔ یہ بہت آسانی سے جنگل میں لکڑی ڈھونڈنے کا کام سیکھ لیتے ہیں۔

درختوں کے بھاری بھاری لٹھے آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ تھائی لینڈ کے شمالی دیہی علاقوں میں صبح کے وقت کام کرنے والے ہاتھیوں کی لمبی لمبی قطاریں کام پر جاتی نظر آتی ہیں۔ یہ بڑا نادر اور انوکھا منظر ہوتا ہے۔

ینگ ایلی فینٹ کیپٹل سنٹر میں ان کو باقاعدہ تعلیم اور تربیت دی جاتی ہے۔ چار پانچ سال کی عمر سے ہاتھیوں کو ابتدائی تربیت دینی شروع کی جاتی ہے۔ یہ ان کا کنڈر گارٹن ہے۔ یہاں ان کو مہاوت کی پہچان کرائی جاتی ہے۔ پھر اسکول میں ان کو چار سال کا تربیتی کورس کرنا ہوتا ہے۔ اس کورس میں ان کو جھکنا، چیزیں اُٹھانا، لُڑھکانا، پھینکنا، دھکا دینا اور سامان لے جانا سکھایا جاتا ہے۔ یہاں انھیں مشینوں کے شور کا عادی بھی بنایا جاتا ہے اور سانپوں سے نمٹنا بھی سکھایا جاتا ہے۔

دس سال کی عمر میں ان کی تربیت مکمل ہو جاتی ہے اور نوجوان ہاتھی دوسرے ہاتھیوں کے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ تھائی لینڈ کے ہاتھی کی اوسط عمر سو سال ہے۔ پچیس سے لے کر پچاس سال کی عمر تک وہ بہت اچھا کام کرتے ہیں۔ عام طور سے وہ ساٹھ سال کی عمر میں رٹایر ہو جاتے ہیں۔ جب انھیں گرمی زیادہ پریشان کرتی ہے تو وہ صرف دو دن صبح کے وقت کام کرتے ہیں اور اگلے تین دن چھٹی کرتے ہیں۔ سہ پہر میں وہ نہاتے اور آرام کرتے ہیں۔ مارچ سے مئی تک کارکن ہاتھیوں کی چھٹی ہوتی ہے اور وہ جنگل میں آوارہ گردی کرتے ہیں۔ بچّہ ہاتھی گھاس، بانس، پودے، پھل اور درختوں کی چھال کھاتا ہے۔

گھریلو ہاتھیوں کو کھانے کے لیے اچھی غذا دی جاتی ہے، جیسے کیلے گنّا، ناریل اور گھاس پھوس وغیرہ۔ ایک ہاتھی ایک دن میں تیس سے چالیس تربوز کھا جاتا ہے۔

ہاتھی پکڑنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کو کسی تنگ جگہ میں گھیر لیا جائے اور دوسرا یہ ہے کہ اس کی ایک پچھلی ٹانگ کو رسّی سے جکڑ دیا جائے۔ اس کو پکڑنے میں زیادہ کامیابی اُس وقت ہو سکتی ہے جب ایک تربیت یافتہ ہتھنی دوسرے ہاتھیوں کو ورغلانے کے لیے استعمال کی جائے۔

تھائی لینڈ کے لوگ اپنے ہاتھیوں سے بڑے بڑے کھیل تماشے کرواتے ہیں۔ تھائی لینڈ

کے صوبے سورین کے لوگ ہاتھیوں کو تربیت دینے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ہاتھیوں کے سالانہ کھیلوں کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ بڑا دل چسپ منظر ہوتا ہے۔ سورین کی سڑکوں پر ہاتھیوں کے دستے گزرتے ہیں۔ رنگارنگ لباس اوڑھے ہوئے، سروں پر ٹوپیاں سجائے ہوئے ہاتھی علاقائی رقص کرتے ہیں۔

تھائی لینڈ کی حکومت ہاتھی کے نشان کو بڑی اہمیت دیتی ہے۔ تھائی لینڈ کی کئی چیزوں پر ہاتھی کی تصویر نظر آتی ہے۔ تھائی لینڈ کے سکوں پر، یہاں تک کہ بہت سی پرانی خانقاہوں، در و دیوار پر بھی ہاتھی کُھدے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آج تھائی لینڈ کے ہاتھی نہ صرف وہاں کے پالتو اور کام کرنے والے ہاتھی ہیں، بلکہ وہ لوگوں کے دوست بھی ہیں۔

دنیا میں ہاتھیوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایشیائی ہاتھی اور افریقی ہاتھی۔ ایشیائی ہاتھی کا سَر بڑا اور کان چھوٹے ہوتے ہیں۔ افریقی ہاتھی کا سَر چھوٹا اور کان بڑے ہوتے ہیں۔ افریقی افریقی ہاتھی کا دانت بھی قیمتی ہوتا ہے، مگر افریقی ہاتھی سخت مزاج ہوتا ہے اور اس سے اس طرح کام نہیں کرایا جا سکتا جس طرح کہ ایشیا کے ہاتھی کام کرتے ہیں۔ آزادی سے پہلے ہندُستان میں تمام راجاؤں اور مہاراجاؤں نے اپنی ذاتی سواری کے لیے ہاتھی پال رکھے تھے۔ ریاست جے پور (راجھستان) کے راجا مان سنگھ کے پاس ۹۹ ہاتھی تھے جو آزادی کے بعد ریاست چِھن جانے پر اس نے اپنے ملازموں (مہاوتوں) کو بخش دیے۔ یہ مہاوت ان ہاتھیوں کو شادی بیاہ میں کرائے پر چلاتے ہیں یا غیر ملکی سیّاحوں کو بٹھا کر تاریخی قلعوں پر لے جاتے ہیں اور معقول معاوضہ کماتے ہیں۔ یہ سب مہاوت مسلمان ہیں۔

کسی زمانے میں ہاتھی جنگ میں بھی استعمال ہوتے تھے مگر موٹر گاڑیوں کی ایجاد کے بعد ان کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ہاتھی سبزی خور جانور ہے۔ زیادہ تر جنگل میں خوش و خُرّم رہتا ہے، لیکن اگر سِدھا لیا جائے تو انسانوں کا دوست بن جاتا ہے۔

دل کی دھڑکن

مرسلہ: عمران بیگ، کراچی

نوزائیدہ بچّہ	۱۴۰ بار فی منٹ	دس سال کا بچّہ	۹۰ بار فی منٹ
ایک سال کی عمر کا بچّہ	۱۲۰ بار فی منٹ	بالغ آدمی	۷۲ بار فی منٹ

شرفو کی کہانی

میرزا ادیب

وہ ایک لکڑہارا تھا۔ ساری عمر اس نے جنگل میں جاکر لکڑیاں کاٹ کر انھیں بیچا تھا اور اپنی اس محنت کے نتیجے میں جنگل سے کچھ دُور ایک چھوٹا سا مکان بنوا لیا تھا جس میں وہ اس کی بیوی اور نوجوان بیٹا رہتا تھا۔ بیوی کا نام 'نادی' تھا اور بیٹے کا شرفو۔ تینوں آرام اور سکون سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ کام صرف لکڑہارا کرتا تھا۔ بیوی اور بیٹا کوئی ایسا کام نہیں کرتے تھے جس سے آمدنی میں اضافہ ہو۔ بیوی ہانڈی روٹی پکاتی تھی اور بیٹا گھر ہی میں رہ کر چھوٹے چھوٹے کام کر لیتا تھا۔

لکڑہارا بوڑھا ہو گیا تھا۔ بڑھاپے کی وجہ سے اُس کے اندر پہلی سی ہمت نہیں رہی تھی۔ آئے دن بیمار ہی رہتا تھا۔ مگر اُسے کوئی ایسی پریشانی نہیں تھی۔ سمجھتا تھا کہ میرا شرفو اب بچّہ نہیں رہا۔ بآسانی گھر کی ذمے داریاں سنبھال سکتا ہے۔ شرفو کی ماں کا بھی یہی خیال تھا۔ اس لیے اسے بھی کسی قسم کی فکر نہیں تھی۔

ایک صبح لکڑہارا جاگا تو اس نے محسوس کیا کہ بڑا کم زور ہو گیا ہے۔ جنگل میں جاکر لکڑیاں کاٹنا اس کے لیے مشکل ہے۔ اس کا بیٹا جاگ کر ناشتا کر کے فارغ ہو چکا تھا اور اس بات پر حیران ہو رہا تھا کہ اس کا باپ معمول کے مطابق صبح سویرے گھر سے نکلا کیوں نہیں چارپائی پر لیٹا ہوا کیوں ہے؟

لکڑہارا سمجھ گیا تھا کہ اس کا بیٹا کیا سوچ رہا ہے۔ اس نے شرفو کو اشارے سے اپنے پاس بُلایا اور پیار سے بولا، "شرفو بیٹا!"

"جی ابّا جی۔"

"دیکھو بیٹا! اب اپنے گھر کی ذمے داری تمھیں سنبھالنا ہوگی۔ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ بیمار بھی ہوں۔"

"تو فرمائیے ابّا جی۔" شرفو نے پوچھا۔

"بیٹا! جو کام میں نے ساری عمر کیا ہے وہ اب تم کرو۔ لکڑیاں کاٹنا آسان کام نہیں ہے مگر تم ہمت والے اور طاقت والے ہو۔ شروع شروع میں یہ کام ذرا مشکل لگے گا۔ پھر آہستہ آہستہ آسان ہو جائے گا۔ میں تمھیں برابر مشورے دیتا رہوں گا جو تمھارے لیے بڑے مفید ہوں گے۔ سمجھ لیا بیٹا!"

شرفو نے سر ہلا دیا۔

"شاباش بیٹا! مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔ شوق سے کام کروگے تو ڈھیر سارے پیسے کما لوگے؟"

شرفو کی ماں پاس کھڑی یہ گفت گو سُن رہی تھی۔ شرفو کے باپ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا، "نادی! میرا کلھاڑا لے آؤ۔"

نادی اندر سے کلھاڑا لے آئی۔

"بیٹا! یہ ہمارا اثاثہ ہے۔ اس کی حفاظت کرتے رہنا۔ کیوں کہ اس کے ذریعہ سے ہی تو لکڑہارا پیڑ سے لکڑیاں کاٹتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے لکڑہارا چارپائی سے اُٹھ بیٹھا۔ اس نے کلھاڑا اُٹھا کر شرفو کے کندھے پر رکھ دیا اور اسے بتانے لگا کہ اچھے پیڑ کہاں کہاں ہیں۔ کتنی لکڑیاں ہر روز کاٹنی ہوں گی اور انھیں کس طرح بنڈل سا بنا کر سر پر اُٹھا کر شہر میں وہاں لے جانا ہوگا جس جگہ لکڑیاں بیچی جاتی ہیں۔ لکڑہارے نے اسے اس جگہ کا نام بھی بتا دیا۔

شرفو بڑے شوق سے باپ کی باتیں سُن رہا تھا۔ اس کا یہ شوق دیکھ کر اس کے ماں باپ دونوں بہت خوش تھے۔

جب لکڑہارے نے وہ سب کچھ بتا دیا جو وہ اپنے بیٹے کو بتانا چاہتا تھا تو کہنے لگا، "لو شرفو! آج سے کام شروع کر دو۔"

شرفو کی ماں نے بیٹے کو ڈھیروں دعائیں دیں اور شرفو کلھاڑا کندھے سے لگائے اپنے گھر سے باہر نکل گیا۔

جنگل کا راستہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا کہ وہ باپ کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ گیا۔

بیسوں پیڑ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایک قطار میں کھڑے تھے۔ اس کے باپ نے بتایا تھا کہ پہلے پیڑ کی شاخیں جھکی ہوئی ہیں۔ ان شاخوں کو کاٹنا آسان ہے۔ پہلے یہی شاخیں کاٹنا۔

وہ ایک لمبی جھکی ہوئی شاخ کاٹنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر شاخ کے اس مقام پر پڑی جہاں سے یہ پیڑ سے پھوٹی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ وہاں چڑیوں نے ایک گھونسلا بنا رکھا ہے۔ اس نے دو تین بچے بھی اس جھونپڑی میں دیکھ لیے تھے۔ یہ گھونسلا دیکھ کر فوراً اس کے ذہن میں یہ سوال اُٹھا:

"میں نے یہ شاخ کاٹی تو کیا گھونسلا تباہ نہیں ہو جائے گا؟"

"بالکل تباہ ہو جائے گا اور وہ بچے جو اس گھونسلے میں پرورش پا رہے ہیں، نیچے گر کر مر جائیں گے اور ان کے ماں باپ کو بڑا دکھ ہو گا۔"

اس نے کلہاڑا اس شاخ کو کاٹنے کے لیے اُٹھایا ہی تھا کہ یکایک اس کا ہاتھ رُک گیا۔

"نہیں، میں یہ ظلم نہیں کر سکتا۔"
اور وہ اس پیڑ کے سائے میں بیٹھ گیا۔
کئی باتیں اس کے ذہن میں آگئیں۔ میرے باپ نے مجھے لکڑیاں کاٹنے کے لیے بھیجا ہے۔ اس کا حکم مانتا ہوں تو وہ خوش ہو گا۔ میں لکڑیاں بیچ کر پیسے بھی کما لوں گا، لیکن یہ ان چڑیوں پر ظلم ہو گا جنھوں نے یہاں گھونسلا بنا رکھا ہے۔ وہ سوچتا رہا ماں باپ کا حکم مانے یا ان بے چاری چڑیوں کے گھونسلے کو سلامت رکھے۔ اس کی نظر بار بار گھونسلے پر جم کر رہ جاتی تھی۔ آخر وہ اُٹھ بیٹھا اور پکّے ارادے کے ساتھ واپس گھر روانہ ہو گیا۔ اس کا باپ گھر کے باہر چارپائی پر لیٹا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ شرفو کو دیکھا تو بولا،
"کیوں شرفو بیٹا! جلدی آ گئے ہو۔ بڑی جلدی لکڑیاں بک گئی ہیں۔"
"نہیں ابا جان۔"
"کیا بات ہے؟"
"ابا جان! میں پیڑ پر کلہاڑا نہیں چلا سکا۔"
"کیوں؟" لکڑ ہارا حیران ہو کر بولا۔
شرفو نے جو کچھ دیکھا تھا وہ باپ کو بتا دیا۔ اور اس سے پہلے کہ اس کا باپ کچھ کہے اس کی ماں نے کہا:
"بیٹا! اس پیڑ پر چڑیوں نے گھونسلا بنا رکھا تھا تو اُسے چھوڑ کر دوسرے پیڑ کی شاخیں کاٹ لیتے۔"
شرفو نے فوراً جواب دیا، "اماں! وہاں بھی پرندوں نے گھونسلا بنا رکھا تھا۔ کیسے کاٹتا اُسے؟"
لکڑ ہارا بیٹے کی بات سُن کر بہت خفا ہوا اور غصّے سے کہنے لگا، "او احمق! لکڑ ہارا یہ نہیں دیکھتا کہ پیڑ پر پرندوں کا گھونسلا بنا ہے یا نہیں۔ اُسے تو لکڑیاں کاٹ کر بیچنی ہوتی ہیں۔ تم نے بڑی احمقانہ حرکت کی ہے۔ میں نہیں سمجھتا تم اتنے پاگل ہو گے۔"
لکڑ ہارا غصّے میں نہ جانے اور کیا کہہ دیتا کہ اس کی بیوی نے اسے سرگوشی میں سمجھایا، "آخر بچّہ ہے اور کچھ نہ کہو۔ دو تین دن ٹھیر جاؤ۔ اپنی ذمے داری سنبھال لے گا۔"
لکڑ ہارا خاموش ہو گیا۔

دو دن بیت گئے تو پھر باپ نے بیٹے کو ایک اور مقام کا پتا بتایا اور تاکید کی، "خبردار ! پیڑ پر ضرب لگانے سے پہلے اوپر نہیں دیکھنا۔"

شرفو نے وعدہ کر لیا کہ وہ پہلے کی طرح اوپر نہیں دیکھے گا اور باپ کے بتائے ہوئے مقام پر چلا گیا۔

اسے اپنا وعدہ یاد تھا۔ چناں چہ پہلے پیڑ کے پاس پہنچ کر اس نے اوپر نہ دیکھا۔ وہ نیچے دیکھتے ہوئے کلہاڑا مارنے لگا کہ اس کی نظر پیڑ کے نیچے اس جنگلی پھل پر پڑی جسے بعض لوگ ہانڈی میں پکا کر کھاتے ہیں۔

ایک سوال اس کے ذہن میں اُبھر آیا :

"اس پیڑ پر یہ پھل لگتا ہے۔ میں اسے کیوں نقصان پہنچانا چاہتا ہوں۔ کیا اس کی شاخیں کاٹنے سے اس پھل کا کچھ حصہ ضائع نہیں ہو جائے گا۔ کیا یہ ان لوگوں کے ساتھ زیادتی نہیں ہو گی جو اُسے ہانڈی میں پکا کر کھاتے ہیں ؟"

وہ دیر تک اس پیڑ کے نیچے بیٹھا رہا اور سوچتا رہا۔

اس روز جب لکڑ ہارے نے اپنے بیٹے کو دیر سے آتے دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ اب کے ضرور لکڑیاں بیچ کر پیسے لایا ہے۔ خوش خوش بولا، "آج تو میرا بیٹا کافی پیسے لے کر آیا ہے۔

ہے نا۔ کیوں شرفو؟"

"نہیں ابا جان! میں کوئی پیسہ نہیں لایا اور اس نے باپ کو پیڑ نہ کاٹنے کی وجہ بتا دی۔ بیٹے کی بات سُنتے ہی لکڑ ہارے کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ "تُو کچھ نہیں کرے گا۔ تجھے لکڑیاں کاٹ کر بیچنے کے لیے بھیجا تھا، پیڑ کا پھل دیکھنے کے لیے نہیں۔"

"میں کیا کرتا ابا جان! آپ جانتے نہیں یہ پھل لوگ پکا کر کھاتے ہیں۔"

"تو تمھیں کیا؟ لوگ پھل پکا کر کھاتے ہیں، تم تو نہیں۔" باپ گرجا۔

"ابا جی! وہ لوگ بھی تو ہمارے جیسے ہیں نا۔"

لکڑ ہارے کا غصّہ بڑھتا جا رہا تھا کہ اس کی بیوی نے پھر اسے سمجھایا، "بس اب اور کچھ نہ کہو۔ مجھے اُمید ہے شرفو سیدھے راستے پر آجائے گا۔"

لکڑ ہارا بولا، "اب کے میں برداشت کر لیتا ہوں۔ آئندہ اس نے ایسی بے ہودہ حرکت کی تو میں اسے گھر سے نکال دوں گا۔"

چند دن گزر گئے۔ لکڑ ہارے نے اس مرتبہ پرانے درختوں کا پتا بتا کر کہا، "خبردار! اب کے کوئی بہانہ نہ بنانا۔ پیسے لے کر گھر آنا۔"

شرفو جنگل میں گیا۔ اس نے پرانے پیڑ دیکھے۔ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ انھیں دیکھ کر وہ سوچنے لگا:

"انھوں نے برسوں تک مسافروں کے لیے ٹھنڈے سائے مہیّا کیے ہیں۔ تھکے ہوئے لوگ ان کے نیچے بیٹھ کر سکون حاصل کرتے رہے ہیں۔ انھیں کاٹنا انسان کے محسنوں پر ان کے احسان ماننے کے بجائے اِن پر اُلٹا ظلم نہیں ہوگا...؟"

اور وہ واپس آنے لگا۔ راستے میں ایک نہر پڑتی تھی۔ اس کے پُل پر سے گزرتے ہوئے اس نے کلہاڑا نیچے پانی میں پھینک دیا کہ نہ یہ ہوگا اور نہ مجھے لکڑیاں کاٹنے کے لیے کہا جائے گا۔ شہر میں ایک بازار سے گزرتے ہوئے اس نے کئی دُکانوں کو دیکھا، "یہ اچھا کام ہے۔ میں بھی ابّا جان سے کہہ کر ایک دُکان بازار میں کھول لوں گا۔"

اس روز وہ شام کے قریب اپنے گھر پہنچا۔ لکڑ ہارے کو پورا پورا یقین تھا کہ اس کا بیٹا ضرور لکڑیاں بیچ کر آیا ہے۔

"تو آج تم نے کام کیا ہے؟"

باپ کا یہ فقرہ سُن کر شرفو بولا، "ابا جان! پیڑ تو میں نہیں کاٹ سکا۔ وہ ساری عمر مسافروں کو ٹھنڈے سائے دیتے رہے ہیں۔ میں نے سوچ لیا ہے کہ بازار میں دُکان پر بیٹھا کروں گا۔"

بیٹے کے منھ سے جیسے ہی یہ لفظ نکلے لکڑ ہارا اپنے غصّے پر قابو نہ رکھ سکا اور اُسے اسی گھڑی گھر سے نکال دیا۔ ماں نے دخل دینا چاہا تو اس نے اسے بھی جھڑک دیا، "بس، بس۔ اب تم ایک لفظ نہیں کہو گی۔"

شرفو گھر سے نکل کر چلنے لگا۔ اس کا کوئی ٹھکانہ تو تھا نہیں۔ کہاں جا سکتا تھا، چلتا گیا، چلتا گیا، یہاں تک کہ اس قدر تھک گیا کہ اس کے لیے ایک قدم اُٹھانا بھی دوبھر تھا۔ پاس ایک بڑی شان دار حویلی کھڑی تھی۔ وہ اس کے دروازے پر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔

ادھر لکڑ ہارا اور اس کی بیوی اپنے بیٹے کی جُدائی میں تڑپ رہے تھے۔ لکڑ ہارا بُری طرح پچھتا رہا تھا کہ اس نے بیٹے کو گھر سے کیوں نکال دیا تھا۔ ایک دن دونوں بیٹے کی باتیں یاد کر کر کے رو رہے تھے کہ ان کے مکان کے آگے ایک بگھی رُکی۔ اس میں سے ایک شخص اُترا اور لکڑ ہارے کے دروازے پر دستک دینے لگا۔

"کیوں جناب! کیا بات ہے؟" لکڑ ہارے نے دروازہ کھول کر اس آدمی سے پوچھا۔

"آپ کو اور آپ کی بیوی کو نادر خاں نے بُلایا ہے؟"
"نادر خاں کون؟" لکڑہارے نے یہ نام پہلی بار سُنا تھا؟
"آپ نے نادر خاں کا نام نہیں سُنا؟"
"جی نہیں۔"
"وہ بڑے آدمی ہیں۔ سب ان کی عزّت کرتے ہیں۔ مہربانی کر کے بگھی میں بیٹھ جائیں۔"
لکڑہارا اور اس کی بیوی بگھی میں بیٹھ گئے۔ بگھی انھیں ایک بڑے خوب صورت اور شان دار باغ میں لے آئی۔

وہ باغ کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز آئی:
"ابا جان! اماں!"
"ہیں شرفو!" لکڑہارا اور اس کی بیوی اپنے بیٹے کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔
شرفو نے اعلا درجے کا لباس پہن رکھا تھا اور بہت خوش لگتا تھا۔
"تم یہاں کہاں؟" شرفو کی ماں نے پوچھا۔
"اماں!" شرفو کہنے لگا "اس شام جب ابّا جان نے مجھے گھر سے نکالا تھا تو میں تھک کر ایک حویلی کے دروازے پر گر پڑا تھا۔ اس حویلی کے مالک نادر خاں ہیں جنھوں نے یہ دیکھ کر کہ مجھے پیڑوں اور پرندوں سے بڑی محبت ہے مجھے اپنے اس باغ کا مالی بنا دیا ہے ـــ وہ ہیں میرے محسن۔"

نادر خاں آ گئے اور کہنے لگے:
"واقعی شرفو کی اس بات نے مجھے بہت متاثر کیا تھا کہ اسے پیڑوں کا بڑا خیال ہے۔ پیڑوں سے محبت کرتا ہے۔ میں نے اسے اپنے باغ کے پیڑوں کی رکھوالی کا کام سپرد کر دیا ہے۔ وہ یہاں نئے نئے پیڑ لگائے گا اور ان کی حفاظت کرے گا۔ اس نے پیڑوں سے محبت کی ہے اور پیڑوں نے اس محبت کا یہ بدلا دیا ہے۔"
شرفو کے اصرار پر اس کے ماں باپ بھی وہیں رہنے لگے اور خوشی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

تم کیا بنو گے؟

قمر ہاشمی

بڑے ہو کر بتاؤ کیا کرو گے ؟
مرا مطلب یہ ہے تم کیا بنو گے ؟

ابھی میں کیا بتاؤں کیا بنوں گا
کئی سال اور بھی پڑھتا رہوں گا
یہ ممکن ہے کہ بن جاؤں کمشنر
بنانا چاہتی ہیں امّی ٹیچر
وہ کہتی ہیں کہ پہلے خوب پڑھ لو
ترقی کر کے زینے اور چڑھ لو
پڑھو جو کچھ اُسے فرفر سناؤ
پھر اس کے بعد بچّوں کو پڑھاؤ

نہیں تعلیم سے بڑھ کر کوئی شے
یہ دولت پھیلتی بڑھتی رہی ہے
اگر ہو علم تو انساں ہے انساں
وگر نہ آدمی رہتا ہے ناداں

ڈاکٹر صاحب! نیند کی یہ گولیاں ابو کو کس وقت دی جائیں گی؟
یہ نیند کی گولیاں تمھارے ابو کے لیے نہیں ہیں۔ یہ تمھارے لیے اور تمھارے اُن بھائی بہنوں کے لیے ہیں جو انھیں سونے نہیں دیتے۔
یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟ تم تو مجھ سے یہ کہہ کر آئے تھے کہ بھائی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے۔
جی ہاں، لے جانا تو ہے۔ وہ جو کافی دیر سے گرا ہوا پٹ رہا ہے۔ وہی تو میرا بھائی ہے۔

یہ کیسی رات ہے

علی مرتضیٰ، کراچی

گرمیوں کے دِنوں میں ہمیں رات کتنی پیاری اور اچھی لگتی ہے۔ کبھی کبھی ہمارا دِل چاہتا ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی موسم رہے۔ ہمیشہ رات ہو۔ دن میں سورج کی آگ برسانی کرنیں ہم برداشت نہیں کرپاتے۔ جب حبس ہوجاتا ہے اور لُو چلنے لگتی ہے تو ہمیں کس قدر پریشانی ہوتی ہے۔ اس وقت ہم موسم کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ رات ٹھنڈی ہوتی ہے اس وقت ہوا کتنی اچھی معلوم ہوتی ہے اور یہ جی چاہتا ہے کہ ہمیشہ ایسی ہی ہوا چلتی رہے۔

دوسری طرف جب سردی کا موسم آتا ہے تو یہی رات ہمیں بہت بُری لگنے لگتی ہے۔ سورج غروب ہوتے ہی ہم بغلوں میں ہاتھ دبیے تھرتھراتے، کپکپاتے گھر کی طرف دوڑتے ہیں تاکہ جلد سے جلد لحاف میں دبک کر مزے سے بادام، اخروٹ اور مونگ پھلی کھاسکیں۔ سردیوں کی راتوں کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ اس موسم کا دن سب کو بھلا لگتا ہے۔ اکثر لوگ صبح دھوپ تاپنے کے لیے صحن میں یا اپنے گھروں کی چھتوں پر چلے جاتے ہیں۔ دیکھا آپ نے کتنا فرق ہے ان دونوں موسموں میں۔ یہ تو تھی موسم کی بات۔ اب آئیے اصل کہانی کی طرف۔

مانی ایک کھلنڈرا سا لڑکا تھا۔ کبھی وہ اپنی چھوٹی بہن صدف کو تنگ کرتا تو کبھی اپنے ننّھے منّے سے بھائی سراج سے دودھ کی بوتل چھین لیتا اور جب اس کا ننّھا مُنّا بھائی رونے لگتا تو اسے بڑا مزہ آتا۔ کبھی اپنے گھر کی چیز بغیر کسی وجہ کے توڑ ڈالتا جس کے نتیجے میں اُسے اپنی امّی سے ڈانٹ کھانی پڑتی۔ نہ جانے کیوں اُسے یہ سب کچھ کرنا اچھا لگتا ہے۔ لیکن اس طرح کی شرارتیں کرنے کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ وہ پڑھائی میں کم زور تھا۔ وہ تو بہت ذہین اور تیز لڑکا تھا۔ اپنی کلاس میں ہمیشہ اوّل آتا۔ اس کی ان تمام شرارتوں کے باوجود اُسے اس کے امّی، ابّو اور استاد سب پسند کرتے تھے۔ مانی میں ایک اور بات بھی تھی۔ وہ ہمیشہ اچھوتی اور انوکھی باتوں کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ مثال کے طور پر اکثر وہ یہ سوچا کرتا کہ ہمیشہ رات ہی ہوتی تو کیا ہوتا۔ رات کتنی اچھی ہوتی ہے۔ رات کو ہم سب آرام کرتے ہیں۔ رات کو ٹی وی پر اچھے اچھے پروگرام آتے ہیں اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ رات کو ہمیں اسکول جانے کے لیے کوئی نہیں کہتا۔ کتنی اچھی ہوتی ہے رات۔ کاش ہمیشہ رات ہی ہو۔ مگر یہ تو ایک خواہش تھی۔ اگر لوگوں کی ہر خواہش پوری ہوجائے تو دنیا میں کوئی غم اور فکر نہ ہو۔

ایک مرتبہ اسکول جاتے ہوئے اس کی نظر ایک چڑیا کے بچے پر پڑی جو گھونسلے سے گر پڑا تھا اور زمین پر چونچ کھولے ہانپ رہا تھا۔ بے چاری چڑیا اس کے چاروں طرف بے قراری سے چکّر لگارہی تھی اور چوں چوں چوں کرتے ہوئے چلّا رہی تھی۔ مانی کو اس پر بڑا ترس آیا۔ اُس نے لپک کر بچّے کو اُٹھا لیا اور درخت پر چڑھ کر اُسے آرام سے گھونسلے میں رکھ دیا۔

اس رات اُسے خواب میں وہی چڑیا نظر آئی۔ وہ اس سے کہہ رہی تھی، "تم نے آج میری مدد کی ہے۔ اگر تمھاری کوئی خواہش ہو تو بتاؤ۔ میں پوری کروں گی!"

مانی نے بے اختیار کہا، "اے اچھی چڑیا! مجھے رات بہت پسند ہے۔ کیا تم ہمیشہ کے لیے رات نہیں لاسکتیں؟"

چڑیا بولی، "اللہ نے مجھے اتنی طاقت دی ہے کہ تمھاری یہ خواہش پوری کر سکتی ہوں۔ فکر نہ کرو۔ اب دن نہیں آئے گا۔ اب ہمیشہ رات رہے گی۔" اتنا کہہ کر چڑیا اُڑ گئی۔

مانی کی جب آنکھ کھلی تو کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ "ارے! آج امّی اُٹھانے کے لیے نہیں آئیں!" وہ حیرت سے سوچتا ہوا منھ ہاتھ دھونے چلا گیا۔ منھ ہاتھ دھو کر اُس نے اسکول کے کپڑے پہنے اور باورچی خانے کی طرف چل پڑا۔ "امّی جلدی سے ناشتا دیں۔ اسکول جانے میں دیر ہو رہی ہے!" وہ باورچی خانے میں داخل ہوتے ہی بولا۔

"شام کو اسکول جاؤ گے؟" اس کی امی نے حیرت سے کہا "اور یہ کیا؟ اسکول کے کپڑے بھی پہن لیے تم نے۔"

"تو صبح نہیں ہوئی؟" وہ حیرت سے بڑبڑایا۔ لیکن اچانک اُسے ننھی چڑیا کی بات یاد آگئی جس نے کہا تھا کہ اب ہمیشہ رات ہی رہے گی۔ اس نے خوشی سے سوچا، "واہ! مزہ آگیا!" پھر اس نے اپنی امّی سے پوچھا کہ ابّو کہاں ہیں؟

انھوں نے جواب دیا، "اپنے دوست کے ساتھ باہر گئے ہیں۔ اب تم اسکول کے کپڑے اُتار کر گھر کے کپڑے پہن لو۔"

"جی بہت اچھا!" کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب تو مزے ہی مزے ہیں۔ میں روزانہ ٹیلے وژن پر اپنی پسند کے پروگرام دیکھوں گا۔ مزے مزے کے کھانے کھانے کو ملیں گے اور اسکول بھی نہیں جانا ہوگا۔

رات اس نے خوب ڈٹ کر کھانا کھایا، اپنی پسند کے پروگرام دیکھے اور جب رات زیادہ ہو گئی تو سونے چلا گیا۔ اگلا دن بھی ایسا ہی تھا۔ اسی طرح چار پانچ دن گزر گئے۔ اب مانی میاں بور ہونے لگے۔ بھلا یہ کیسی رات ہے۔ نہ اپنے دوستوں سے مل سکتے ہیں اور نہ کوئی کھیل کھیل سکتے ہیں۔ مانی کو کرکٹ کا کھیل بہت پسند تھا۔ مگر رات کو تو کرکٹ کوئی نہیں کھیلتا، تو بھلا مانی میاں رات کو کیسے کرکٹ کھیلتے! انھیں اپنا اسکول، اپنے دوست اور اپنے استاد یاد آنے لگے۔ جب تمام لڑکے مل کر قومی ترانہ گاتے تو بڑا ہی مزہ آتا تھا، لیکن اب تو تمام باتیں وہ سوچ ہی سکتے تھے، نہ کر سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے۔ بھلا رات کو کوئی اسکول جاتا ہے! اب تو انھیں کھانے میں بھی مزہ نہیں آتا تھا۔ ایک جیسے کھانے اب اچھے نہیں لگتے ہیں۔ سچ ہے اچھی غذا اگر روزانہ کھائی جائے تو اس میں بھی مزہ نہیں آتا۔

ان کے ابّو نے ان کو سائکل لا کر دینے کا وعدہ کیا تھا مگر اُن کی سائکل ابھی تک نہیں آئی تھی اور آتی بھی کیسے۔ رات کو نہ تو ان کے ابّو دفتر جاتے تھے اور نہ سائکل لا سکتے تھے۔

مانی میاں نے اپنے باغ میں طرح طرح کے خوب صورت پودے اور پھول لگا رکھے تھے مگر رات کو تو پھول نظر نہیں آتے ہیں اور نہ ان میں کوئی خوش بُو آتی ہے۔ پودے اور پھول بغیر دھوپ کے مُرجھانے لگے۔ غرض چند دِنوں میں مانی میاں بور ہو گئے۔ اب انھیں ٹیلے وژن کے پروگرام بھی اچھے نہیں لگتے تھے۔ مسلسل رات رہنے کی وجہ سے زندگی میں کوئی

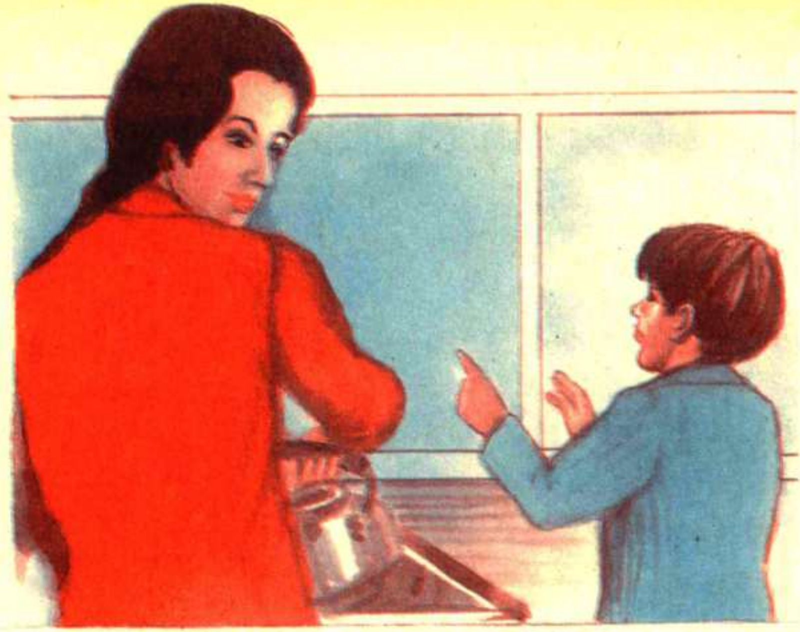

مزہ نہیں رہا تھا۔ اب تو وہ دل ہی دل میں اللہ سے دُعا کرتے: "اے اللہ! مجھے معاف کر دے۔ آئندہ ایسی کوئی خواہش نہیں کروں گا جو فطرت کے خلاف ہو۔ میری یہ بات اب اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہے کہ جو کام مقررہ وقت پر ہوتا ہے وہی صحیح ہوتا ہے۔"

رات کو بھی جب مانی میاں سونے کے لیے لیٹے تو بہت دیر تک اللہ سے معافی مانگتے رہے اور روتے رہے۔ روتے روتے اُن کی آنکھ لگ گئی۔ انھوں نے خواب میں اسی چڑیا کو دیکھا جس نے اُن کی رات والی خواہش پوری کی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی، "اب تمھیں پتا چل گیا ہوگا کہ قدرت کا قانون کیسا عمدہ اور صحیح ہے۔ اس سے بچنا اور اس کے خلاف چلنا ممکن نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو پچھتاوے کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔"

اگلے دن مانی کی آنکھ کھلی تو کھڑکی سے سورج کی کرنیں اندر آ رہی تھیں اور پرندوں کی چہکار سے فضا گونج رہی تھی۔ وہ ایک نئے جذبے اور ایک نئے ولولے کے ساتھ اسکول جانے کی تیاری کرنے لگا۔ آج اُسے مشرق سے سر اُبھارتا ہوا سورج بہت ہی خوب صورت اور پیارا لگ رہا تھا۔

بادشاہ کا کرم

اسد ظہور، فیصل آباد

بہت عرصے پہلے کا ذکر ہے۔ ایران کے ایک بادشاہ شاہ پیش نے خپل معمار کو ایک شاہی محل تیار کرنے کا حکم دیا۔ بادشاہ کی تخت نشینی کے پہلے سال محل کی تعمیر شروع ہوئی اور چار سال ہو چکے تھے مگر اس کی تعمیر مکمل نہ ہو سکی۔ ایک دن بادشاہ اس دریا کے کنارے گیا جہاں محل تعمیر ہو رہا تھا۔ بادشاہ نے محل کا معائنہ بھی کیا۔ خپل ایک سنگِ مرمر کی سِل پر پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پاس پتھر کاٹنے والے سب مزدور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب خوب قہقہے لگا رہے تھے۔ خپل انھیں اُلٹے سیدھے قصّے، کہانیاں، لطیفے اور شعر

سُنا رہا تھا۔

بادشاہ نے خیبل سے کہا، "خیبل! ذرا ہمیں محل تو دکھاؤ کہ وہ کہاں ہے، کیسا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اُسے دیکھ کر اپنی آنکھوں کو تسکین پہنچائیں۔" خیبل نے بڑی شرمندگی محسوس کی مگر فوراً ہی بولا: "اے عظیم بادشاہ! جہاں آپ نے اپنا مبارک قدم رکھا ہے اور غلام کے کانوں میں اپنی میٹھی آواز کا رس گھولا ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ ایک نہایت عمدہ جگہ ہے۔ ایسی جگہ ایک معمار کے لیے عالی شان محل کی تعمیر کے لیے نہایت مناسب ہے۔ یہ محل ایسا ہو گا جسے دیکھ کر دوسرے ملکوں کے بادشاہ اور سلطان رشک کرنے لگیں گے اور اے شاہِ زمانہ! اس محل کی تعریف تو سیاح بھی کریں گے جو دُور دُور سے اسے دیکھنے آئیں گے اور شاعر اس کی شان میں شعر کہیں گے۔"

شاہ پشش مسکرا کر کہنے لگا، "یہ جگہ واقعی نہایت اچھی ہے اور میں اسے پسند کرتا ہوں۔ مگر خیبل میں تمھیں ایک قصہ سناتا ہوں۔ ایک دفعہ ایک کسان کے نوکر نے بیج بونے کے وقت سُستی سے کام لیا اور جب فصل کاٹنے کا وقت آیا تو وہ اپنی زمین کی زرخیزی کی تعریفیں کرنے لگا۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے اس نے وہ تمام خود رَو پودے دکھائے جو خود بخود ہر جگہ اُس زمین میں اُگ آئے تھے۔ خیر یہ تو تھی وہ بات مگر تم ذرا مجھے میرے محل کے ایوان اور کمرے تو دکھاؤ تاکہ میں تمھارے فن کی داد دے سکوں۔" خیبل کہنے لگا، "حضور کا حکم سر آنکھوں پر۔"

وہ بادشاہ کو اُن دالانوں میں لے گیا جو ابھی نامکمل تھے۔ اس نے محل کی عمارت کے نامکمل دربار ہال اور بغیر چھت کے کمرے اور آدھے کھڑے مینار اور ستون بھی بادشاہ کو دکھائے۔ اچانک بادشاہ اس کی تعریف کرنے لگا۔ اس نے اس کے فن کی دل کھول کر داد دی اور اس کی محنت کو خوب سراہا۔ ساتھ ہی اس کی تیز رفتاری اور لگن کو بھی پسند کیا۔ خیبل خود حیران تھا کہ کام تو ابھی ادھورا ہے مگر بادشاہ تھا کہ اس کی تعریف کیے جا رہا تھا۔

اب وہ بل کھاتے ہوئے ستونوں سے گزر کر سنگِ مرمر کے فرش پر آگئے۔ یہاں آ

کر بادشاہ کہنے لگا کہ تم نے اتنی زیادہ محنت سے کام کیا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تم کو عزت اور احترام سے اپنے آگے لے کر چلوں۔ خبیل اس عزت افزائی پر بڑا خوش ہوا۔ خبیل کچھ قدم آگے بڑھ کر رُک گیا اور شاہ پیش سے کہنے لگا" بادشاہ سلامت! ہم آگے نہیں جا سکتے۔ اتفاق سے اس جگہ ایک گڑھا ہے۔" شاہ پیش نے کہا،" سب ٹھیک ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم آگے بڑھو۔"

خبیل چیخا،" اے عظیم بادشاہ! یہ گڑھا تو بہت بڑا ہے اور صاف نظر آرہا ہے۔ یہ محل کا ایک نامکمل حصّہ ہے۔" شاہ پیش کہنے لگا،" مجھے تو محل کے مختلف حصّوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ تمام حصّے خوب صورتی اور تناسب میں لاجواب ہیں اور ایک ایسے محل میں جس پر معمار نے چار سال لگائے ہوں کوئی حصّہ نامکمل نہیں رہ سکتا۔ میرا حکم ہے کہ تم آگے بڑھو۔" خبیل کے تو اوسان خطا ہو گئے۔ گڑھے کی لمبائی اچھی خاصی تھی اور اس کے اندر کافی گہرائی میں پانی بھی نظر آرہا تھا۔ خبیل کو تیرنا بھی نہیں آتا تھا۔ لیکن شاہ پیش نے اپنے محافظ کو حکم دیا کہ اگر خبیل آگے نہ بڑھے تو اس

پر تیروں کی بارش کر دو۔ خپل نے جلدی سے آگے کی طرف قدم بڑھایا اور وہ گڑھے میں جا پڑا۔ وہ پانی کے اندر غوطے کھا رہا تھا۔ پھر بادشاہ کے حکم پر اس کو باہر نکالا گیا۔ وہ بُری طرح لرز رہا تھا۔ خوف سے اس کی بُری حالت تھی۔ شاہ ہیش نے اس کی بڑی تعریف کی اور کہا: "خپل یہ تو نہانے کے لیے بڑی اچھی جگہ ہے۔ یہ تم نے خوب چکّر چلایا ہے۔ ہر ایک اس کو دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے اور ہاں جب روز تم باتیں کر کے تھک جایا کرو گے تو ہر روز تمھارا یہ انعام ہو گا۔ تمھیں اسی طرح اس میں نہلایا جائے گا۔"

پھر بادشاہ نے خپل سے کہا کہ مجھے دربار دکھاؤ۔ جب وہ وہاں پہنچے شاہ ہیش نے کہا" میں تم سے بہت خوش ہوں، اس لیے تمھیں اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ تم سنگِ مرمر کی اس کرسی پر جو کہ تخت کا ایک حصّہ ہے بیٹھو۔ تمھیں میری موجودگی میں بھی اس پر بیٹھنے کی اجازت ہے۔" خپل نے عرض کیا" یقیناً یہ میرے لیے ایک بڑا اعزاز ہے۔ لیکن بادشاہ سلامت! کرسی ابھی مکمل نہیں ہوئی۔" شاہ ہیش نے غصّے سے کہا،" اگر یہ بات ہے تو تم تو صرف باتونی ہی ہوئے۔ تم بڑے کاہل اور سُست ہو۔"

خپل نے کہا،" بادشاہ سلامت! نہیں یہ بات نہیں ہے۔ کرسی تو وہاں موجود ہے۔ میں ہی اندھا ہوں۔" خپل اب بادشاہ سے بہت زیادہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔ وہ چُپ چاپ اس جگہ چلا گیا جو کرسی کے لیے مخصوص تھی۔ اس نے اپنے آپ کو ایسے جُھکایا جیسے وہ کرسی پر بیٹھا ہوا ہو۔

پھر بادشاہ اس سے بولا،" میں تمھاری اس کرسی کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ تمھیں یہ عزّت بخشی جاتی ہے کہ دوپہر تک تم اس کرسی پر بیٹھے رہو، لیکن اگر تم دائیں یا بائیں جُھکے اور اس اعزاز کی قدر نہ کی تو تیروں کی بارش کر کے تمھیں یہاں چپکا دیا جائے گا۔" پھر بادشاہ نے وہاں کئی تیر انداز کھڑے کر دیے۔ جو تنی ہوئی کمانوں کے ساتھ اس کی نگرانی کرنے لگے، تاکہ اگر خپل ذرا بھی اِدھر اُدھر حرکت کرے تو اس کو چھلنی کر دیا جائے۔ بادشاہ وہاں سے چلا آیا۔ سارے مزدور اور دوسرے لوگ خپل کو اس طرح اپنے آقا کی کرسی پر بیٹھا ہوا دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ یہ

بات اب سب لوگوں کو معلوم ہو چکی تھی۔ جب انھوں نے دیکھا کہ وہ خیالی کرسی پر بیٹھا ہوا تیروں کی بوچھاڑ کے ڈر سے کانپ رہا ہے تو انھوں نے خوب قہقہے لگائے۔ ان کی ہنسی کی آواز ہر طرف گونجنے لگی۔

جب اس کے اس حالت میں بیٹھنے کا وقت ختم ہو گیا تو شاہ پیش اس کے پاس آیا اور اس سے بولا، "خپل! تمھیں دوسروں سے زیادہ مرتبہ دیا گیا ہے۔ اب مجھے اُن باغوں کی سیر کراؤ جو تم نے میرے لیے بنوائے ہیں" اور خپل تو اس طرح چل رہا تھا جیسے اسے زبردستی گھسیٹا جا رہا ہو۔ لوگ اس کا مذاق اُڑا رہے تھے۔ اب سب لوگ باغوں کی طرف نکل آئے لیکن وہاں تو سوائے جھاڑیوں اور خار دار پودوں کے انھیں کچھ دکھائی نہ دیا۔ فوارے خشک پڑے تھے۔ شاہ پیش زور سے کہنے لگا، "خپل! اس باغ کی بناوٹ تو بڑے کمال کی ہے۔ کیا تمھیں فواروں کی ٹھنڈک محسوس نہیں ہو رہی؟ میں تمھارا بڑا ممنون ہے، اور ان پھولوں کا تو کیا ہی کہنا۔ ذرا تھوڑے سے توڑ کر مجھے دے دو تاکہ میں ان کی خوش بُو سونگھ سکوں۔" خپل نے کچھ خار دار پودے توڑ لیے جو پھولوں کی جگہ وہاں اُگے ہوئے تھے اور بادشاہ کے سامنے ہی اپنی ناک کے قریب لا کر سونگھنے لگا۔ اس کی ناک سرخ ہو گئی اور اسے ناک پر کھجانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ بڑا بے چین اور بے بس ہو گیا تھا، مگر وہ بادشاہ کی موجودگی میں ایسا کر بھی نہیں سکتا تھا۔

اُدھر بادشاہ نے خوب حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ وہ انھیں سونگھتا رہے۔ پھر شاہ پیش ہنسا اور کہنے لگا، "اپنی ناک کو مت ملو۔ یہ اچھی حرکت نہیں۔ ہاں، پھولوں کا گچھا تم اپنی محبوبہ کو دے آؤ۔ وہ تم سے بہت خوش ہو گی۔ میں تمھاری طرف سے اُسے یہ تحفہ بھجوا دیتا ہوں اور ساتھ یہ پیغام بھی کہ تم بھی وہاں پہنچ رہے ہو اور جہاں تک تمھاری سوزش زدہ ناک کا تعلق ہے۔ اگر تم اُسے کھجانا چاہتے ہو تو تمھیں اس کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں اپنے پڑوسی سے کھجوا سکتے ہو۔" بادشاہ نے اس پر ایک پہرے دار مقرر کر دیا تاکہ وہ دیکھے کہ اس کے احکامات پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ اس نے خپل کے باغ میں واپس آنے کے لیے وقت مقرر کر دیا۔

مقررہ وقت پر خپل بادشاہ کے سامنے پھر حاضر تھا۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور وہ بڑا غمگین اور اُداس دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی شکل ایسی لگتی تھی جیسے کہیں سے خوب مار کھا کے آیا ہو۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تم نے اپنے پھول اپنی محبوبہ کی خدمت میں کس طرح پیش کیے۔ اس نے جواب دیا، "عالی جاہ! اس نے مجھے بہت شرمندہ کیا۔"

بادشاہ نے پھر پوچھا کہ وہ جو میں نے ناک کو کھجوانے کے لیے تمھیں رعایت دی تھی اس کا کیا ہوا؟ خپل نے جواب دیا، "بادشاہ سلامت! مجھے راستے میں جو شخص بھی ملا میں نے اُس سے درخواست کی کہ میری ناک پر ذرا سا کھجا دو مگر کسی نے بھی اس جگہ نہ کھجایا جہاں کھجلی محسوس ہو رہی تھی۔"

اس پر شاہ پیش مسکرایا اور کہنے لگا، "بادشاہوں کا کرم بارش کی طرح ہوتا ہے اور سورج کی طرح چمکتا ہے۔ کہیں تو یہ زمین کو زرخیز بناتا ہے اور کہیں پیداوار بڑھاتا ہے۔ خپل! تم بھی تو خود رو پودے ہو اور میرا کرم تمھیں غلاظتوں سے پاک کر دے گا۔" بادشاہ خپل کو اعزاز و اکرام دینے کی آڑ میں اس کو برابر آڑے ہاتھوں لیتا رہا۔ تین دن اور تین راتیں گزر گئیں۔ خپل پانی کو ترستا رہا۔ یہ اعزاز بھی اسے بخشا گیا کہ وہ خشک فواروں کا پانی پیے۔ اسے سات دن اور سات راتوں تک بازو پھیلا کر کھڑا رکھا گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک انار بھی تھما دیا گیا۔ شاہ پیش اپنے درباریوں کو وہاں لایا کہ خپل کے لگائے ہوئے انار کے شان دار پودے دیکھیں۔ اُن کو بتایا گیا کہ یہ ایسا انار ہے جو نئی قسم کا ہے اور صرف بادشاہوں کے باغوں کے لیے مناسب ہے۔ اس پر بادشاہ کی عقل اور ذہانت کی بہت تعریف کی گئی۔ لوگ سمجھ گئے کہ ہمارا بادشاہ نکمّے، کاہل، کام چور اور سست لوگوں کو سبق سکھانا خوب جانتا ہے۔ اس سے پہلے اُس ملک کے حالات بہت خراب تھے۔ لوگ خپل کی طرح سُستی سے کام کرتے تھے اور باتیں زیادہ بناتے تھے۔ خپل کو سزا ملنے کے بعد شاہ پیش کی سلطنت میں کوئی کام چور نہ رہا۔

نونہال مصوّر

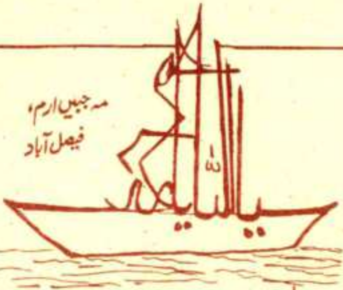

مہ جبیں ارم، فیصل آباد

شازیہ کریم، کراچی

ماریہ مقصود، کراچی

ذوالفقار علی، کراچی

شہلا نورین، جہلم

ساجد مراد بلوچ، مکران

سید پیرزادہ، کراچی

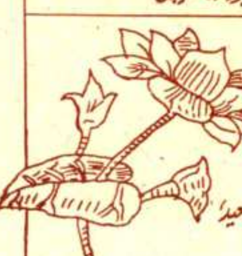

احمد کاشف سعید، کراچی

تحفے

سرکاری راز

مرسلہ: خالد حمیدی، روہڑی

کسی ملک میں ایک شخص نے سرِ عام ایک اعلا سرکاری افسر کو نکمّا اور احمق کہہ دیا۔ اسے دو جرموں کی سزا ملی، ایک جُرم معزز شہری کی توہین کرنا تھا اور دوسرا جُرم سرکاری راز فاش کرنا۔

اشتہار

مرسلہ: ناصر ادریس، جڑانوالہ

کوئی صاحب میرے کنویں کا ڈول اور رسّی چُرا کر لے گئے ہیں۔ اُن سے گزارش ہے کہ اب کنواں بھی اُٹھا کر لے جائیں، کیوں کہ ڈول اور رسّی کے بغیر یہ میرے لیے بے کار ہے۔

خصوصیت

مرسلہ: قرۃ العین طاہر، راول پنڈی

عابد: وہ شخص ہے جس کے ذمّے جو کام واجب ہو بجا لائے۔

○ زاہد: وہ شخص جو کچھ اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسے چھوڑ دے۔

○ عادل: وہ شخص جو دوسرے کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہو۔

○ سخی: وہ شخص جو اپنے مال کی زکوٰۃ دے دیا کرے۔

○ پرہیزگار: وہ شخص جو ہر وقت حق کی بات کہے چاہے وہ اس کے لیے فائدہ مند ہو یا نقصان دہ۔

○ عقل مند: وہ شخص جو لوگوں کی واقفیت اور علم سے اپنا علم بڑھاتا ہو۔

○ مہذّب: وہ شخص جو لوگوں کے ساتھ تہذیب سے پیش آئے۔

لیڈری

مرسلہ: نعمان احمد بشیر، کراچی

ہمارے ملک میں آزادی کے بعد جس چیز کی زیادتی ہے وہ ہے لیڈری۔ اگر آپ بھی لیڈر بننا چاہیں تو نسخہ حاضر ہے حسب ذیل سامان لیں:۔

سامان: مکّاری کی چھال ۲۵ گرام، خود غرضی کے بیج ۵۰ گرام، بے ایمانی کی جڑیں ۲۵۰ گرام، فریب کاری کا پانی ۲ لیٹر، جھوٹ کی خوش بُو ۲ سی سی۔

طریقہ: سب سے پہلے بے ایمانی کی جڑیں ۵ دن کے لیے فریب کے پانی میں بھگو دیں۔ پھر خود غرضی کے بیج اور مکاری کی چھال کو بے اعتمادی کے ہاون دستے میں ڈال کر اپنے کالے کارناموں سے پیس کر بے حیائی کی چھلنی میں چھان لیں۔ اب اس چھنے ہوئے نسخے میں مفت خوری کی راکھ اور بے رحمی کا عرق ملا دیں اور وہ پانچ دن سے رکھا ہوا پانی حسد کی کڑاہی میں ڈال کر بد اخلاقی کے چمچے سے گھوٹیں اور دھوکے کے چولھے یا انگیٹھی پر بُرائی کی تیز آنچ پر خوب پکائیں۔ جب سب چیزیں مل کر یک جان ہو جائیں تو اُتار لیں اور جھوٹ کی خوش بُو حسبِ ذائقہ ملا دیں۔

طریقۂ استعمال: روزانہ صبح و شام سفارش کے چمچے سے کھائیں۔

مسکراہٹ

مرسلہ: قدسیہ یاسمین، بھکّر

ایک دفعہ ایک بزرگ ایک مجلس میں وعظ فرما رہے تھے کہ تم لوگ ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیتے رہا کرو۔

ایک شخص نے پوچھا "اگر کسی کے پاس دینے کو کچھ نہ ہو تو؟"

فرمایا، "کیا تم کسی کو اپنی مسکراہٹ بھی نہیں دے سکتے؟"

دنیا کی حقیقت

- دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو۔
- اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو۔
- اس کو وہ جمع کرتا ہے جس کی کوئی عقل نہ ہو۔
- اس کے پیچھے وہ پڑے جس کو کوئی علم نہ ہو۔
- اس پر وہ رشک کرے جس کو کوئی دانائی نہ ہو۔
- اس کے پیچھے وہ دوڑے جس کو آخرت کا یقین نہ ہو۔

مرسلہ: شاکر قیوم خانزادہ، سکرنڈ

بدھو

مرسلہ: تابندہ ندرت، کراچی

میرا لایا ہوا سودا کبھی تم نے پسند نہیں کیا۔ کبھی وہ خراب ہوتا اور کبھی مہنگا۔ ہر بار کوئی چیز خرید کر لاتا تو تم سے جھگڑا ضرور ہوتا۔ ایک بار میں نے سوچا کہ تمھیں اس مقابلے میں شکست دینی چاہیے۔ آخر تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے.... بالکل بدھو۔ میں نے عذرا کی فراک کے لیے اپنی پسند کا کپڑا لیا۔ غالباً وہ چھے رُپے گز کے حساب سے ملا تھا۔ میں نے تمھیں دکھایا۔ تم نے قیمت پوچھی۔ میں نے تین رُپے بتائی۔ سوچا تم حیران رہ جاؤ گی اور میری فراست کی داد دو گی۔ مگر تم تو چیخ اٹھیں، "یہ کپڑا تو چھے رُپے گز ملتا ہے۔ تم تین رُپے کہاں سے لے آئے؟ یقیناً ردی کپڑا ہو گا۔ ضرور اس میں کوئی نقص ہو گا۔ مہربانی کر کے اسے واپس کر کے آؤ۔ (مٹی کا دیا از میرزا ادیب سے اقتباس)

فرموداتِ قائدِ اعظم

مرسلہ: غلام مرتضیٰ راجپوت، سکھر

- پاکستان کو شب و روز کی مسلسل محنت سے اس

قدر مضبوط اور مستحکم بنا دو کہ آئندہ نسلیں تمہارے کارناموں پر فخر کریں۔

❁ دشمن کی ناپاک سازشوں کو اتحاد، محبّت و اخوت اور امدادِ باہمی سے ناکام بنا دو۔ نفاق شر کی بنیاد ہے۔

❁ پاکستان مسلمانوں کے پاس اللہ کی امانت ہے۔ جان و مال کی قربانی سے اس امانت کی حفاظت کرو۔

❁ فرقے اور فرقے وارانہ تصورات فوراً مٹا دو۔ ملّت کی بقا اتّحاد اور صرف اتّحاد میں ہے۔

❁ آگے قدم بڑھا کر پیچھے ہٹانا مومن کا نہیں بلکہ کافر کا شیوہ ہے۔ فتح ہمیشہ اولوالعزم لوگوں کے قدم چومتی ہے۔

❁ یاد رکھیں کہ کفر کی غلامی سے موت بدرجہا بہتر ہے کیوں کہ زندگی کا حقیقی نصب العین آزادی ہے۔

❁ حق و باطل کے تصادم میں مصائب آیا ہی کرتے ہیں اور جو شخص ان مصائب سے گھبراتا ہے وہ مسلمان نہیں۔

❁ وقت خواہ کیسے ہی حالات پیدا کر دے، لیکن مایوسی ہمارے لیے مذہباً اور روایتاً حرام ہے۔ یقینِ کام یابی کلیدِ کام یابی ہے۔

❁ مسلمانو! قدرت کی کڑی سے کڑی آزمائش میں بھی اتحاد و یگانگت اور اخوّت و ایثار کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔

❁ مسلمان فطرۃً امن پسند اور بے ضرر ہے لیکن جب کوئی بدخواہ مقابل آئے تو شیرِ ببر سے زیادہ خوں خوار۔

سرخ گلاب

مرسلہ: عظمیٰ ناہید، جہلم

گلاب کا پھول اس لیے سرخ دکھائی دیتا ہے کہ روشنی کے چھے رنگ یعنی بنفشی، آسمانی، نیلا، سبز، زرد اور نارنجی اُس میں جذب ہو جاتے ہیں۔ جب کہ وہ ساتوں رنگ یعنی سرخ کو منعکس کر دیتا ہے۔ اور یہی سرخ شعاعیں منعکس ہو کر ہمارے آنکھوں کے پردے پر پڑتی ہیں تو گلاب کا پھول سُرخ نظر آتا ہے۔

بادشاہت

مرسلہ: سیف الرحمٰن، ملتان

چوتھی صدی ہجری میں جب سامانی خاندان کے نصر بن احمد نے خراسان فتح کیا تو نیشاپور میں جشن منایا۔ کُھلے میدان میں خیمے لگائے گئے۔ ایک سجے سجائے خیمے کے نیچے زرق برق تخت بچھایا گیا جس پر نصر بیٹھا۔

تخت پر بیٹھتے ہی حکم دیا کہ جشن کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا جائے۔ ایک شخص نے سورۂ مومن کی وہ آیات تلاوت کیں جن میں حشر کا نقشا کھینچا گیا ہے۔ جس کا ترجمہ ہے:

"آج کس کی بادشاہت ہے؟ اللہ کی جو "اَلْوَاحِدُ الْقَہَّار" ہے۔"

یہ سُنتے ہی نصر تخت سے نیچے آیا۔ سَر سے تاج اُتار کر زمین پر رکھ دیا اور سجدے میں گر کر بولا: "آقا! آج بھی تیری ہی بادشاہت ہے، میری نہیں۔"

آہنگ بازگشت ـــ مولوی محمد سعید

گدھا

مرسلہ: فرزانہ عالم، کراچی

کرائے دار نے مالک مکان سے کہا، "یہ بہت اچھا مکان ہے۔ اس کا کرایہ کتنا ہے؟"

"ایک ہزار رُپے ماہانہ اور ایک سال کا کرایہ پیشگی دینا ہو گا۔" مالک مکان نے کہا۔

"لیکن اس میں اصطبل تو ہے نہیں۔" کرائے دار نے پوچھا۔

"اصطبل! وہ کس لیے؟" مالک مکان نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

"اُس گدھے کے لیے جو ان شرائط پر یہ مکان کرائے پر لے گا۔"

سبق

مرسلہ: قدسیہ یاسمین، بھکّر

کیا آپ نے صرف ان لوگوں سے سبق سیکھا ہے جنھوں نے آپ کی تعریف کی، جو آپ کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور جنھوں نے آپ کی تائید و حمایت کی؟ کیا آپ نے ان لوگوں سے کوئی سبق نہیں سیکھا جنھوں نے آپ کی مذمّت کی، آپ کو دھتکار دیا، جن کا رویّہ آپ کے ساتھ سخت تھا، جنھوں نے آپ کی مخالفت کی اور آپ کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ (وھٹ مین)

آنا جانا

مرسلہ: محمد اکرم سیالوی، وکیل والا

حضرت لقمان نے کہا کہ جب پہلی بار میرے پاس عقل آئی تو میں نے دریافت کیا کہ تُو کون ہے؟ اُس نے جواب دیا، "عقل۔" میں نے پوچھا کہ کہاں رہتی ہے؟ اس نے کہا، "سَر میں۔"

اس کے بعد میرے پاس شرم آئی۔ میں نے پوچھا، "تُو کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟" اُس نے جواب دیا، "میں شرم ہوں اور آنکھ میں رہتی ہوں۔" شرم کے بعد محبّت آئی۔ میں نے اس سے بھی یہی سوال کیے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے محبّت کہتے ہیں اور میں دل میں رہتی ہوں۔

پھر تقدیر آئی۔ میں نے یہی سوال کیے۔ جواب ملا کہ مجھے تقدیر کہتے ہیں اور میں سَر میں رہتی ہوں۔ سَر میں عقل رہتی ہے لیکن جب میں آتی ہوں تو عقل رخصت ہو جاتی ہے۔

سب سے آخر میں طمع آتی ہے۔ میرے پوچھنے پر بولی:

"مجھے طمع کہتے ہیں اور میرا قیام دل میں ہے۔ جب میں آتی ہوں تو دِل سے محبّت رخصت ہو جاتی ہے۔"

خواب

مرسلہ: نگہت ایاز، کراچی

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

(خواجہ میر درد)

حکیم محمد سعید

سوال و جواب

طب کی روشنی میں

ذہن اور بدن کی کم زوری

س: عمر ۱۹ سال ہے۔ میرا ذہن اور بدن کم زور ہے۔ میں نے معجون آرد خُرما اور مثالی استعمال کی کی ہے۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ محمد سلیم، کراچی

ج: جو انسان زندہ رہنا چاہتے ہیں اور صحت مند رہنا چاہتے ہیں وہ اپنے جسم کی خود حفاظت کرتے ہیں۔ وہ خود اپنی طاقتوں کی رکھوالی کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جو صحت کی قدر نہیں کرتے وہ میدانِ عمل میں شکست کھا جایا کرتے ہیں۔ ان کی قوتِ ارادی ہار جایا کرتی ہے۔ آپ زندہ اور صحت مند رہنے کا جس دن فیصلہ کر لیں گے کوئی بُری عادت آپ پر غالب نہیں آئے گی حوصلہ کیجیے۔

بال چھوٹے ہیں

س: عمر ۱۳ سال۔ میرے سَر کے بال بہت چھوٹے ہیں۔ تیل لگانے کے باوجود بڑھ نہیں رہے ہیں۔ کنول تبسم، کراچی

ج: روغن قُسط شیریں ۶۰ گرام، روغن لبوب سبعہ ۶۰ گرام۔ یہ دونوں تیل ملا کر سر میں لگا لیا کریں۔

سَر میں خشکی

س: عمر ۱۶ سال ہے۔ میں طالبہ ہوں۔ میرے سَر میں کافی عرصے سے خشکی ہے۔ ازراہِ کرم کوئی علاج تجویز کیجیے۔ طاہرہ یاسمین، کراچی

ج: روغن کمیلہ ۶۰ گرام، دوائے خارش سفید ۹ گرام۔ دونوں کو ملا کر شیشی میں رکھ لیں۔ رات کو سوتے وقت یہ تیل سَر میں لگائیں۔ اور صبح سَر دھو لیں۔ دس بارہ دن میں سَر کی خشکی دُور ہو جائے گی۔

کم زور ذہن

س: عمر ۱۵ سال ہے۔ میں الفاظ کی صحیح ادائی نہیں کر سکتا۔ لوگ میری بات سمجھ نہیں پاتے۔ میرا ذہن بھی کم زور ہے۔ رات کو سوتے میں میرا پیشاب نکل جاتا ہے۔ محمد جاوید، سکھر

ج: ایسا لگتا ہے کہ یہ کوئی خلقی یعنی پیدائشی کم زوری ہے۔ دماغ کا مسئلہ بھی ہو سکتا ہے اور زبان کی کوئی خرابی بھی ہو سکتی ہے۔ آپ کو اپنا معائنہ کسی ہوش مند معالج سے کرانا چاہیے۔

دماغ کا درد

س: عمر ۲۲ سال ہے۔ میرے دماغ میں ہر وقت درد رہتا ہے۔ بعض اوقات یہ درد اتنا شدید ہوتا ہے کہ لگتا ہے میرے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی۔ دماغ میں گلٹیاں سی بن گئی ہیں۔ دماغ کے ہر وقت کے درد کی وجہ سے میری آنکھوں پر دباؤ پڑتا ہے۔ میری آنکھیں بھی کم زور ہوتی جا رہی ہیں۔ دماغ میں ہر وقت کے درد کی وجہ سے میں کوئی کام بھی نہیں کر سکتی۔

رخسانہ امیر، کراچی

ج: میری رائے میں یہ دردِ نیم سر (شقیقہ = مگرین) ہے۔ یہ دردِ سر اکثر اوقات جواں عمروں میں ہوا کرتا ہے اور اس کی وجہ کوئی نہ کوئی ذہنی پریشانی ہوا کرتی ہے۔ آپ اپنے حالات کا خود جائزہ لیں اور کوئی ذہنی اُلجھن ہے تو اُسے دُور کر لیں۔ دوا یہ ہے:۔

صبح اور رات : سومینا ایک ایک چمچہ

کھانے کے بعد: دونوں وقت جوارش انارین ۶۔۶ گرام۔

ایک ماہ یہ دوا کھائیے۔

لُکنت

س: عمر ۱۳ سال ہے۔ میری زبان سے "ش" نہیں نکلتا ہے۔ براہِ کرم کوئی علاج بتائیے؟

محمد عامر، کراچی

ج: میں اس "مرض" کی کوئی دوا نہیں بتا سکتا۔ یہ مسئلہ تو آپ کو شاید خود ہی حل کرنا ہوگا۔ آپ نے یہ نہیں بتایا کہ کیا آپ "س" بول سکتے ہیں۔ اگر ہاں تو "س" زبان اور آگے کے اوپر کے دانتوں سے ادا ہوتا ہے جب کہ "ش" زبان اور تالو کے ملنے سے ادا ہوتا ہے۔ آپ کو شی شی کی مشق کرنی چاہیے اور زبان کو تالو سے لگانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

داڑھی کے بال

س: عمر ۱۷ سال ہے۔ میری داڑھی کے بال اب ہلکے ہلکے اُگنے شروع ہوئے ہیں۔ مہربانی فرما کر کوئی ایسا طریقہ بتائیں جس سے داڑھی جلد آجائے۔ کاشف، راول پنڈی

ج: میری رائے یہ ہے کہ آپ اس سلسلے میں جلدی نہ کریں۔ قدرت کو اپنا کام خود کرنے دیں۔ اگر زیادہ ضرورت ہے تو مصنوعی بال چپکا لیجیے۔

دُبلا پن

س: عمر ۱۷ سال ہے۔ طالبِ علم ہوں۔ بہت دُبلا پتلا ہوں۔ ازراہِ کرم مشورے سے نوازیے کہ میری صحت اچھی ہوجائے۔ طارق نواز خان، موچھ

ج: دُبلا ہونا کوئی مرض تو نہیں ہے۔ آپ سندھ میں ہیں۔ سندھی میں ایک محاورہ ہے "دُبلو نو مچھر گھنوں" یعنی دُبلے آدمی کے لیے بہتیرے مچھر۔ یعنی جو اُٹھتا ہے وہ دُبلے کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ اس لیے شاید آپ موٹا ہونا چاہتے ہیں۔ چلیے موٹے ہوجائیے۔ ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ آپ روزانہ صبح چھوارے کھائیے۔ ترکیب یہ ہے کہ چار چھوارے رات کو پانی میں بھگو دیں۔ صبح ان نرم چھواروں کو دودھ کے ساتھ کھالیں۔ مہینے دو مہینے میں وزن بڑھ جائے گا۔

جوؤں کا علاج

س: عمر ۱۲ سال ہے۔ میرے سَر میں جوئیں اور لیکھیں ہیں اور بال بھی نہیں بڑھ رہے ہیں۔ کوئی علاج تجویز فرمائیے۔ ت، ف، ن، حیدر آباد

ج: ہمدرد کی "جربین" لے لیجیے اور رات سوتے وقت یہ پیسٹ سَر میں لگائیے، اسی طرح جس طرح ذرا سا تیل سَر میں ڈالتے ہیں۔ ذرا سی جربین بالوں میں مل لیجیے۔ چند دِنوں میں جوئیں مَر جائیں گی۔

سر، منھ اور ماتھے پر مسّے

س: عمر ۱۴ سال ہے۔ دو سال سے میرے سَر، منھ اور ماتھے پر مسّے ہوگئے ہیں اور برابر بڑھ رہے ہیں۔ ازراہِ کرم کوئی علاج بتائیے۔ محمد سلیم خالد، جھنگ صدر

ج: مناسب ہے کہ آپ گائے بھینس کا گوشت کھانا بند کردیں۔ رات کو صافی ۲ چمچے پینا شروع کردیں۔ مہینے دو مہینے میں ممکن ہے کہ مسّے جھڑ جائیں۔

معلوماتِ عامہ

سلسلہ ۲۷۲

سوالات کی تعداد اس بار بھی دس ہے۔ دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصویریں شائع کی جائیں گی۔ نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۲۰ دسمبر ۱۹۸۸ء تک ہمیں بھیج دیجیے۔ جوابات کے پیچھے اپنا نام، پتا اور تصویروں کے پیچھے اپنا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے۔

۱۔ وہ کون سے اوقات ہیں جب خانۂ کعبہ کا طواف کرنا مکروہ ہے؟
۲۔ بتائیے اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ کے والد کا نام کیا تھا؟
۳۔ آزادی سے پہلے برِصغیر کی سب سے بڑی اسلامی درس گاہ دیوبند کس نے قائم کی تھی؟
۴۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا اصل نام کیا تھا؟
۵۔ پاکستان میں پہلی مردم شماری کس سال ہوئی؟
۶۔ رقبے کے لحاظ سے دنیا کا سب سے چھوٹا ملک کون سا ہے؟
۷۔ ہڑپہ صوبۂ پنجاب میں ہے یا صوبۂ سرحد میں؟
۸۔ بتائیے کراچی کے نزدیک کون سی آبشار ہے؟
۹۔ بتائیے ایک بحری میل میں کتنے میٹر ہوتے ہیں؟
۱۰۔ اسوان ہائی ڈیم افریقہ کا سب سے بڑا ڈیم ہے۔ بتائیے یہ کہاں ہے؟

کالا گلاب

نازیہ رمضان

گُل کے والدین بہت غریب تھے۔ ان کی دولت بس ان کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا گل تھا۔ کیا اپنے کیا پرائے سبھی گُل کو بے حد چاہتے تھے۔ دراصل وہ تھا ہی اتنا نیک اور فرماں بردار کہ سب بے اختیار اس کی تعریف کر اٹھتے تھے۔ گُل محلّے بھر کے لوگوں کے کام آیا کرتا تھا اور ان کی خوب دعائیں لیتا تھا۔

بڑی منّتوں اور مُرادوں کے بعد گل پیدا ہوا تھا۔ اس کے ماں باپ کی خوشی کی تو کوئی انتہا ہی نہ رہی تھی۔ مگر جب دین محمد نے اپنے نومولود بیٹے کا چہرہ دیکھا تو کچھ دیر کے لیے اس کی خوشی ماند پڑ گئی، کیوں کہ یہ بچّہ خوب صورت اور صحّت مند نہ تھا۔ اس کا رنگ بھی سانولا تھا۔

"میں تو اپنے بیٹے کا نام گلاب دین رکھوں گی۔" دین محمد کی بیوی اپنے کالے کلوٹے کم زور سے بچّے کو محبّت سے چُومتے ہوئے بول اُٹھی۔

"نیک بخت! گلاب جیسا خوب صورت نام کیا ہمارے بچّے کے لیے مناسب رہے گا! کوئی اور نام سوچ۔" دین محمد نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

اس کی بیوی جھٹ سے بولی، "تو کیا ہوا، میرا بیٹا لاکھوں میں ایک بنے گا۔ رنگت گوری نہیں تو کیا ہوا، اپنے اخلاق سے ہر جگہ خوش بُو بکھیر دے گا، گلاب کے پھول جیسی خوش بُو! ... ہاں تم دیکھنا۔" اور یوں گلاب دین کو گل کے نام سے پکارا جانے لگا۔

وقت گزرتا رہا۔ گل تھوڑا بڑا ہوا تو اسے شہر کے ایک اچھے اسکول میں داخل کرادیا گیا۔ کالا ہونے کے

باوجود وہ اپنی کلاس کے گورے گورے گول مٹول بچّوں سے زیادہ ذہین تھا۔ کلاس کے ساتھیوں سے جلد ہی اس کی پکّی دوستی ہوگئی۔ استاد بھی اس سے بہت خوش تھے۔

یوں تو تمام بچّوں کے ساتھ اس کی بڑی دوستی تھی لیکن اس کی کلاس میں شریر طالبِ علموں کی ایک ٹولی بھی تھی۔ فہیم، جنید اور سہیل موقع ملتے ہی گُل کو تنگ کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ اس کے کالے رنگ کی وجہ سے وہ اسے اُلٹے سیدھے ناموں سے پکارا کرتے تھے۔ گُل بڑے صبر اور خاموشی سے ان کی باتیں سُنتا تھا۔ اُس نے کبھی بھی بُرا نہیں مانا اور نہ کبھی ان سے جھگڑا کرنے کی کوشش کی۔

چند دنوں سے اس ٹولی کی شرارتیں زیادہ بڑھنے لگی تھیں۔ گُل نے ابھی تک اپنے والدین یا استادوں سے ان کی شکایت نہیں کی تھی۔ ان کی باتیں سُن سُن کر گل کا دل بھر آتا تھا۔ وہ ابھی چھوٹا ہی تو تھا۔ اکثر یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا تھا کہ آخر قدرت نے اسے ان بچّوں کی طرح خوب صورت اور گورا کیوں نہیں بنایا۔

ایک روز گُل کی کلاس کے ایک بچّے نے ان شرارتی بچّوں کی شکایت سر ولیم سے کردی۔ سر ولیم بچّوں کے پسندیدہ اور مقبول استاد تھے۔ وہ بچّوں کو بے حد پیار کرتے تھے۔ اُن کے پڑھانے کا انداز بھی بہت اچھا تھا۔ سب طالبِ علم ان کا دل سے احترام کرتے تھے۔

اس روز جب سر ولیم کلاس میں آئے تو سب بچّے کھڑے ہوگئے۔ سر نے انھیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سب پر ایک گہری نظر ڈالی۔ گل خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی سر ولیم کی نظروں سے چھُپی نہ رہ سکی۔ انھوں نے اس کو ایک نظر دیکھا اور پھر کہا:

"بچّو! تمھارے سالانہ امتحان نزدیک ہیں۔ ہمارا سارا کورس مکمل ہوچکا ہے۔ کیوں نہ آج کے پیریڈ میں ہم سبق دُہرانے کے بجائے کچھ اور کام کریں۔" پھر سر ولیم مسکراتے ہوئے بولے، "کیا تم لوگ ایک مزے دار سی کہانی سننا پسند کروگے؟" "ضرور سر، ضرور۔" بچّے تو خوش ہوگئے۔

اچھا تو سنو! یہ واقعہ اُن دنوں کا ہے جب میں انگلستان کے ایک چھوٹے سے قصبے میں رہا کرتا تھا۔ میری عمر بس تمھارے جتنی ہوگی۔ میں جس اسکول میں پڑھتا تھا وہاں کئی ذاتوں، رنگوں اور نسلوں کے بچّے پڑھا کرتے تھے۔ بچّوں کی اکثریت تو سفید فام تھی لیکن تین چار لڑکے جنوبی افریقہ کی سیاہ فام نسل کے میری کلاس میں تھے۔ اسی کلاس میں ایک گورا چٹّا خوب صورت لڑکا بھی تھا جسے گھر میں سب پیار سے پرنس کہا کرتے تھے۔ اسکول میں بھی اُسے اِسی نام سے پُکارا جانے لگا۔ خوب صورت اور صحت مند

ہونے کے علاوہ پرنس بے حد ذہین تھا۔ وہ ہر امتحان میں اوّل آتا تھا۔"
سر ولیم نے کھنکھار کے گلا صاف کیا اور دوبارہ بولے:
پھر ایک دن ہماری کلاس میں ایک نیا لڑکا داخل ہوا۔ اس سیاہ فام لڑکے کا نام کیرون تھا۔ کیرون اپنی عادتوں کی وجہ سے جلد ہی کلاس کے لڑکوں میں گھُل مل گیا۔ سب کے ساتھ اس کی پکّی دوستی ہو گئی۔ وہ بلا کا ذہین تھا۔ جب ماہانہ امتحان کا نتیجہ نکلا تو کیرون کلاس میں اوّل آیا تھا اور پرنس اس بار دوسرے نمبر پر تھا۔

اس موقع پر پہلی بار پرنس کو اس کالے کلوٹے لڑکے سے بڑی نفرت محسوس ہوئی۔ اُس نے اس کی اوّل پوزیشن پر قبضہ جو جما لیا تھا۔ دن گزرتے گئے اور سالانہ امتحان قریب آ گئے۔ اس دوران کیرون برابر اوّل آتا رہا۔ پرنس لاکھ کوشش کے باوجود دوم ہی رہا۔ حسد اور غصّے کی آگ پرنس کے دِل میں بھڑکتی رہی۔ بھولا بھالا کیرون اس کی نفرت سے بے خبر تھا۔ پرنس اس بات کو اپنی بے عزّتی سمجھتا تھا کہ ایک کالا اور کم زور سا لڑکا اس سے آگے نکل جائے۔ اسے اس بات پر غصّہ آ رہا تھا کہ آخر اس کے استاد اس کی خوب صورتی کے باوجود اس کالے بالوں، کالی آنکھوں اور کالے چہرے والے کیرون کو پرچے میں زیادہ نمبر کیوں دیتے ہیں۔

ایک روز پرنس کے دِل میں ایک عجیب و غریب خیال آیا۔ اس نے سوچا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ان سیاہ فاموں کی کالی کھال کے اندر ہمارے جیسا سُرخ سُرخ خون ہو۔ اور اگر یہ سچ ہے تو کالا کیرون کس طرح میری برابری کر سکتا ہے! پرنس کا تجسّس بڑھنے لگا۔ اور پھر جانتے ہو بچّو! اس نے کیا کیا:...؟" سر ولیم نے بچّوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
بچّوں نے بے چینی سے سَر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اس نے آخر یہ راز جاننے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ ایک دن موقع پا کر وہ کیرون کو اپنے ساتھ اسکول کے باغ کے پچھواڑے لے گیا اور ڈنڈے سے ایک زور دار ضرب کیرون کے سَر پر دے ماری۔ کیرون نے ہاتھوں سے اپنے بچاؤ کی کوشش کی لیکن چوٹ سخت تھی۔ کیرون کے سر سے سُرخ سُرخ خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ اس کی انگلیاں اور کلائی بھی زخمی ہو گئی۔ زخمی کیرون بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر پرنس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اچانک اس کے چند ساتھی اس طرف آ نکلے۔ وہ یہ منظر دیکھ کر چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو بُلانے لگے۔ پرنس بے حد خوف زدہ ہو گیا تھا۔ وہ ان سب کو حیران اور

خوف زدہ چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گیا۔ بچّے اسے پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے لپکے مگر پرنس دوسری طرف سے نکل گیا۔ اس کا سانس پُھول رہا تھا لیکن وہ بھاگتا چلا گیا۔ اپنے اسکول سے کافی دُور نکل جانے کے بعد اس نے اپنے حواس درست کیے۔ اب وہ اپنے گھر بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے بہت بڑا جُرم کیا تھا۔ اس کے والد بھی اسے سزا سے نہیں بچا سکتے تھے۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور بغیر سوچے سمجھے چلنے لگا۔ اس کے سامنے ریلوے اسٹیشن تھا۔ وہ چُھپتا چُھپاتا پچھلے ڈبے میں گھس گیا۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ یہ ریل کہاں جا رہی ہے۔ ریل چل پڑی اور ایک چھوٹے اسٹیشن پر رُکی۔ پرنس جلدی سے وہیں اُتر گیا۔

وہ آبادی کی طرف چل پڑا۔ شام ہو رہی تھی۔ پرنس بستی میں اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ جب بھوک نے بہت ستایا تو اس نے ایک دروازے پر دستک دی۔ ایک بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا۔ پرنس نے اس سے کھانے کے لیے کچھ مانگا۔ وہ عورت اُسے دیکھ کر بڑی حیران ہوئی اور اسے اندر لے آئی۔ اس مکان میں دو بوڑھے میاں بیوی رہتے تھے۔ ان کا بیٹا شہر میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ دونوں میاں بیوی نے اُسے بڑے پیار سے بٹھایا۔ اُسے کھلایا پلایا۔ پرنس ان کے خلوص سے بہت متاثر ہوا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے انھیں صرف اتنا بتایا کہ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

دونوں میاں بیوی نے کچھ سوچا اور پھر انھوں نے پرنس کی حالت دیکھتے ہوئے اس سے زیادہ کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ انھوں نے پرنس کو اپنے گھر میں پناہ دی اور اپنے بیٹے کی طرح اس کا خیال رکھنے لگے۔ پرنس ان لوگوں کے ساتھ جس قصبے میں رہتا تھا وہ سیاہ فاموں کی بستی تھی۔ بچے، بوڑھے، جوان سب کے چہرے اور جسم تو کالے تھے لیکن ان کے دلوں میں خلوص اور بھائی چارے کی روشنی تھی۔ پرنس اپنے کیے پر بے حد شرمندہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو ان سب سیاہ فاموں کا مجرم سمجھ رہا تھا۔ اب وہ جان چکا تھا کہ اللہ نے تمام انسانوں کو ایک جیسا پیدا کیا ہے۔ سب کی رگوں میں ایک ہی رنگ کا خون دوڑ رہا ہے۔ جسم کا دکھائی دینے والا سفید یا کالا رنگ اُسے عظیم نہیں بناتا بلکہ اس کے کردار کی بلندی اسے اچھا یا بُرا، برتر یا کم تر بناتی ہے۔ جلد ہی پرنس قصبے کے سیاہ فام بچّوں کا گہرا دوست بن گیا۔ سب لوگ پرنس کو ایک عجیب مخلوق سمجھ کر حیرت سے اسے تکتے تھے۔ وہ اس سے بات کرنے میں ہچکچاتے تھے لیکن گوری رنگت، سرخ سرخ گالوں اور نیلی آنکھوں والے پرنس نے خود پہل کر

کے ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔

یوں دن گزرتے رہے۔ پرنس کو اپنے ممی، پاپا اور دوستوں کی بہت یاد آتی تھی لیکن قصبے والوں نے اسے بہت پیار دیا اور ہر طرح اس کا خیال رکھا تھا۔ اسے بار بار کیبرون کا خیال آتا تھا۔ نہ جانے وہ کس حال میں ہو گا۔ اللہ کرے اس کی جان بچ گئی ہو۔

ایک روز پرنس اپنے سیاہ فام دوستوں کے ساتھ پہاڑی کی سیر کر رہا تھا۔ سب بچے کھیلتے کودتے کافی اونچائی پر چڑھ گئے۔ پہاڑی کے دوسری طرف پھسلن تھی اور ایک خطرناک کھائی بھی تھی۔ بچے اپنے کھیل میں اتنے گُم ہوئے کہ انھیں کچھ خیال بھی نہ رہا اور جیسے ہی پرنس دوڑتا ہوا آگے بڑھا وہ دھڑام سے گرا اور لُڑھکتا ہوا پہاڑی سے نیچے گرنے لگا۔ بچے یہ دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ ان کے چلانے کی آواز پر لوگ دوڑ کر اس طرف آئے۔ پرنس کو کھائی سے باہر نکالا گیا۔ اس کے جسم پر کافی چوٹیں آئی تھیں اور ان سے دماغ بھی متاثر ہوا تھا۔

کئی گھنٹوں کے بعد جب پرنس کو ہوش آیا تو اس کا جسم پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہا مگر اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ پرنس اس حادثے میں اپنی بینائی کھو چکا تھا۔ اس کی خوب صورت نیلی آنکھیں بالکل بے نور ہو کر رہ گئی تھیں۔

اتنا کہہ کر سر ولیم خاموش ہو گئے۔ انھوں نے ایک گہری سانس لے کر کلاس میں بیٹھے بچّوں کی طرف دیکھا۔ سب بچے بڑی اُداسی سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر سَر ولیم نے دوبارہ بولنا شروع کیا: تو بچّو! اس حادثے کے بعد سے پرنس بُجھا بُجھا سا رہنے لگا تھا۔ ایسے میں صرف اس کے منھ بولے ماں باپ نے ہی نہیں قصبے کے تمام لوگوں نے اور اس کے سب دوستوں نے اس کی ہمّت بڑھائی

ایک روز ان کے گھر تار آیا۔ اس میں لکھا تھا کہ پرنس کی منھ بولی ماں کی بیٹی، اپنے بیٹے کو اسکول کی چھٹیوں میں اپنے نانا اور نانی کے پاس بھیج رہی ہے۔ پرنس کو جب یہ معلوم تو اسے بڑی خوشی ہوئی۔ دونوں میاں بیوی کو بھی اپنے نواسے کے آنے کی بہت خوشی تھی۔ نانی نے اپنے نواسے کے لیے مزے مزے کے کھانے پکائے اور صبح سے اس کا انتظار کرنے لگیں۔

جب وہ آیا تو نانی نے اسے گلے لگا لیا اور اس سے گھر کے دوسرے لوگوں کی خیریت معلوم کرنے لگیں۔ پرنس جو اپنے ساتھی سے ملنے کے لیے بے حد بے چین تھا، اس کی آواز سنتے ہی سکتے کی سی

حالت میں رہ گیا۔ یہ آواز اس کی جانی پہچانی آواز تھی۔ وہ کیرون تھا جس کو اس نے مارنے کی کوشش کی تھی۔ کیرون نے جیسے ہی پرنس کو دیکھا اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کا دشمن جس نے اسے مارنے کی کوشش کی تھی اور پھر وہ فرار ہو گیا تھا، اب اس کے سامنے تھا، اس کے نانا کے گھر میں۔ اس کی آنکھوں میں پرنس کو دیکھ کر خون اُتر آیا۔ پھر اس نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کی۔ جب اسے پرنس کے نابینا ہونے کا علم ہوا تو اس کے دل میں پرنس کے لیے ہمدردی پیدا ہو گئی۔ آخر وہ اس کا پُرانا ہم جماعت اور ساتھی تھا۔

حال آنکہ کیرون کے دل میں پرنس کے لیے کافی عرصے سے دشمنی پل رہی تھی لیکن پرنس کی حالت اور بے بسی دیکھ کر اس نے اپنے ذہن سے پچھلی تمام باتیں کُھرچ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اب تو پرنس اس کے گھر میں رہ رہا تھا۔ اسے کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ اپنے نانا یا نانی کے مہمان کو کوئی تکلیف پہنچائے یا ان کے گھر میں رہتے ہوئے اس سے اپنی ذاتی دشمنی کا بدلا لے۔ پرنس کیرون کے جذبات کو محسوس کر کے بے حد شرمندہ ہوا۔ اس کی بے نور آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے۔ کیرون نے پرنس کو معاف کر دیا تھا۔ لیکن پرنس کا سر شرم سے جُھکا ہوا تھا۔

آخر دونوں میں دوستی اور چاہت بڑھنے لگی۔ گوری رنگت والا پرنس کالے کیرون کو اپنا بھائی اور دوست کہنے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ لیکن کیرون اصل میں پرنس سے زیادہ خوب صورت تھا، کیوں کہ اس کے کالے جسم کے اندر ایک درد مند اور اُجلا اُجلا دل جو دھڑک رہا تھا۔

ایک دن کیرون نے پرنس کو دلاسا دیتے ہوئے کہا، "پرنس! میرے دوست! تم زیادہ رنجیدہ مت ہو، تم جلد ہی بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے اور پہلے کی طرح دیکھنے لگو گے۔" پرنس اس کی بات کو صرف ایک جھوٹی تسلّی سمجھ کر پھیکی ہنسی ہنسا۔ وہ جانتا تھا کہ کیرون اس سے ایک انہونی بات کہہ رہا ہے، صرف اس کی ہمت بڑھانے کی خاطر۔

کیرون نے اچانک بے حد سنجیدہ اور یقینی لہجے میں کہا، "تم اسے مذاق مت سمجھو پرنس! میں نے اس قصبے کے بزرگ بابا سے سُنا ہے کہ اس علاقے میں ایک ایسی عجیب و غریب تاثیر والی بُوٹی پائی جاتی ہے جس کا عرق نکال کر آنکھوں میں ٹپکانے سے آنکھوں کی کھوئی ہوئی بینائی واپس آ جاتی ہے۔ تم دیکھنا، میں تمھارے لیے یہ بُوٹی ضرور حاصل کروں گا۔" کیرون نے انتہائی عزم و ہمت سے کہا۔

پرنس اس کی بات پر حیرت زدہ رہ گیا، "نہیں کیرون بھائی! یہ کام آسان نہیں ہے۔ میں تمھیں

اپنی وجہ سے مصیبت میں نہیں پڑنے دوں گا۔ تم یہ خیال دل سے نکال دو۔" پرنس نے کیرون کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن کیرون اپنی بات پر اٹل رہا۔

اگلے دن کیرون پرنس کو بتائے بغیر گھر سے نکل گیا۔ اس کا رُخ پہاڑیوں کی طرف تھا۔ وہ پہاڑیوں کے شمال میں اوپر چڑھتا چلا گیا۔ راستے میں وہ جگہ جگہ اس بوٹی کو تلاش کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد اسے سامنے سبزے اور جھاڑیوں کے جھنڈ میں بزرگ بابا کی بتائی ہوئی جڑی بوٹیاں نظر آنے لگیں۔

وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ یکایک ایک نوکیلے پتھر پر اس کا پیر پڑا۔ وہ لڑکھڑایا اور چٹانوں سے ٹکراتا ہوا نیچے کی طرف لڑھکتا چلا گیا۔

اس کی چیخوں کی آواز سُن کر لوگ بھاگے۔ جب انھوں نے کیرون کو اُٹھایا تو اس کی سانس اُکھڑ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ شاید وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔ ایک شخص اپنے کان اس کے ہونٹوں کے قریب لا کر اس کی بات کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ جلد ہی زخمی کیرون کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔

کیرون کے نانا نانی اور پرنس پر اس حادثے سے غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ پرنس اپنے عزیز دوست کا حال سُن کر غش کھا گیا۔ کئی دن کے بعد جب پرنس ہوش میں آیا اور اس نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تو حیرت سے اس کی چیخ نکل گئی۔ اس کے آس پاس تاریکی اور سیاہ اندھیرے کے بجائے روشنی ہی روشنی تھی۔ اس کی آنکھیں اب بے نور نہیں رہی تھیں۔ وہ ہر چیز دیکھ سکتا تھا۔ اپنے سامنے کھڑے ہوئے ڈاکٹر صاحب اور نرس کو بھی اور اپنے منھ بولے ماں باپ کو بھی۔ اُسے ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی زندگی میں چھائے ہوئے اندھیرے چھٹ چکے ہیں۔ پھر اس نے بے قراری سے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور بولا، "ڈاکٹر صاحب! میرا دوست کیرون کہاں ہے؟ اس کی طبیعت اب ٹھیک تو ہے نا؟" لیکن اسے اس بات کا کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے دیکھا کہ سب کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ کسی میں کچھ کہنے کی ہمّت نہ تھی۔

"آخر آپ جواب کیوں نہیں دیتے؟" پرنس چلّا اٹھا۔ پھر وہ بستر سے اُترا اور سامنے کی طرف بڑھنے لگا۔ جیسے ہی پرنس نے سامنے لگے چھوٹے سے آئینے پر نظر ڈالی اسے ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کا دماغ چکّر کھانے لگا۔ پرنس کے خوب صورت گورے چٹّے چہرے پر اس کی پہلی والی نیلی آنکھوں کی جگہ دو سیاہ پُتلیاں چمک رہی تھیں، ہو بہو کیرون جیسی سیاہ آنکھیں! پرنس کی سمجھ میں

کچھ کچھ آتے لگا۔ نرس اور ڈاکٹر نے پرنس کو سہارا دے کر اس کے بستر پر بٹھایا۔ پرنس کی سیاہ آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ پھر جیسے ہی پرنس کی سمجھ میں آگیا کہ یہ آنکھیں تو اس کے عظیم دوست کیرون کا نادر اور قیمتی تحفہ ہیں جس کی زندگی اس کی بینائی واپس لانے کی نذر ہو گئی تو ان آنکھوں کے احترام میں اس کے آنسو خشک ہو گئے۔

جلد ہی پرنس ہسپتال سے فارغ ہو کر گھر واپس آ گیا۔ کیرون کے نانا اور نانی کو پرنس کے گھر والوں کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا۔ کیرون نے انھیں سب کچھ بتا دیا تھا، لیکن اپنے اصل جھگڑے کا قصہ اُن سے چھپائے رکھا اور پرنس کو اپنا بہترین دوست ظاہر کرتا رہا۔

کچھ دن بعد اپنے چہرے پر کیرون کی آنکھیں سجائے اپنے گھر اپنے ممّی پاپا کے شہر واپس لوٹا۔ اس کے کالے ساتھیوں اور ہمدردوں نے اس کو بڑی محبّت سے رخصت کیا۔

اتنا کہہ کر سر ولیم خاموش ہو گئے۔ تمام بچّے سنّاٹے کے عالم میں سُن رہے تھے۔ کمرے میں اتنی خاموشی تھی کہ ان کے دِلوں کی دھڑکن بھی صاف سُنائی دے رہی تھی۔ کئی بچّوں کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئی تھیں۔ بچّوں نے دیکھا کہ سر ولیم کی شفاف سیاہ آنکھوں میں بھی نمی تیر رہی تھی۔

"تم جانتے ہو بچّو! پرنس کا اصل نام کیا تھا؟" سر ولیم نے بھرّائی ہوئی آواز میں بچّوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر خود ہی بولے، "اس کا نام تھا ولیم شاوَر!" ان کی بات پر سب طالبِ علم چونک سے پڑے۔ سب کی نگاہیں سر ولیم کے سرخ و سفید چہرے کی طرف اُٹھ گئیں جس پر دو سیاہ چمک دار آنکھیں سجی ہوئی تھیں۔

اسی لمحے کلاس میں موجود کئی بچّوں کو اپنی وہ بات یاد آ گئی جو وہ اکثر کہتے تھے کہ قدرت سے ذرا سی غلطی ہو گئی، سر ولیم کے خوب صورت گورے چہرے پر نیلی آنکھیں ہوتیں تو زیادہ اچھا رہتا۔ اب انھیں اپنے شبے کا جواب مل چکا تھا۔ وہ جان چکے تھے کہ غلطیاں اور بھول چُوک قدرت سے نہیں بلکہ انسانوں سے ہوتی ہے۔

کلاس میں بالکل سنّاٹا طاری تھا۔ گل کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ پیریڈ ختم ہونے کی گھنٹی بج چکی تھی۔ سر ولیم آہستہ آہستہ اپنی کُرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کلاس سے باہر نکلتے ہوئے انھوں نے پلٹ کر سب پر نظر ڈالی تو انھوں نے دوسرے بچّوں کے ساتھ فہیم، جنید اور ان کے ساتھیوں کی آنکھوں میں بھی آنسو دیکھے۔ ان کے سَر شرم سے جُھکے ہوئے تھے۔ سر ولیم مطمئن ہو کر کلاس سے باہر نکل گئے۔

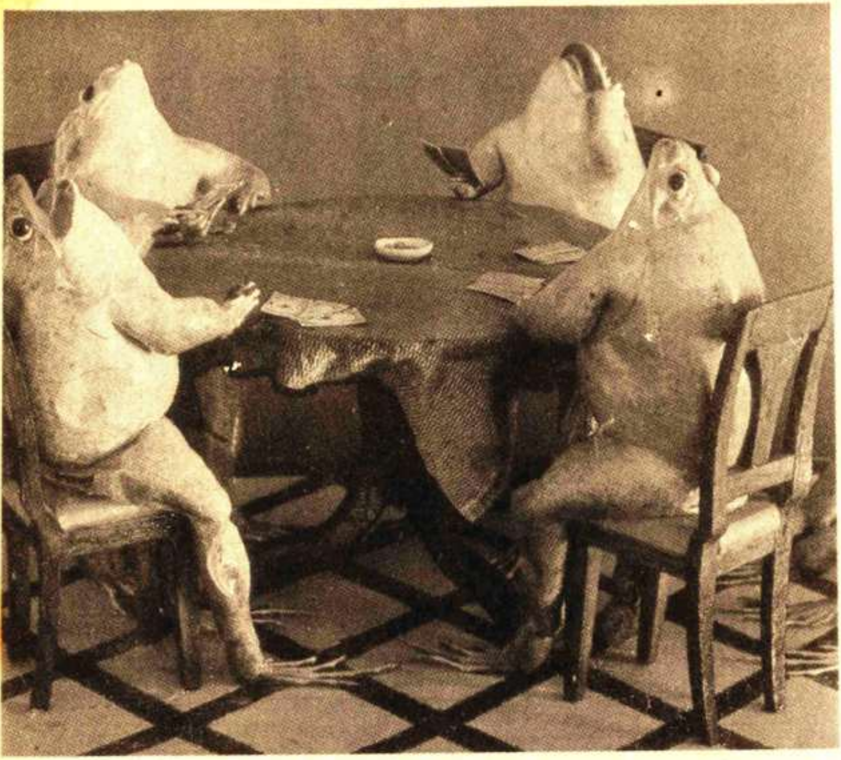

مینڈکوں کی دُنیا

ڈاکٹر سہیل برکاتی

مینڈک یوں تو ایسا جانور ہے جس کو دیکھنے سے ہی کراہیت کا احساس ہوتا ہے، لیکن یہ جانور انسان کے بہت کام آتا ہے۔ جو لوگ طِب کی تعلیم حاصل کرتے ہیں انھیں حیوانی جسم کے مختلف نظام سمجھانے کے لیے مینڈک کا آپریشن کرکے دکھایا جاتا ہے۔ پانی میں رہنے والا یہ بدصورت جانور اپنی زندگی کی قربانی دے کر بہت سے انسانوں کی جان بچانے کے کام آتا ہے۔

کیا اس کے علاوہ بھی مینڈک کسی کام آسکتا ہے اور وہ بھی مُردہ مینڈک؟ آپ سوچیں گے بھلا مُردہ مینڈک بھی کسی کام آسکتا ہے، لیکن یہ بات سچ ہے۔

سوئٹزرلینڈ کے ایک شخص نے مُردہ مینڈکوں کا وہ استعمال کیا کہ آج تک یہ مینڈک سوئٹزرلینڈ کے ایک عجائب گھر میں لوگوں کی دل چسپی کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔

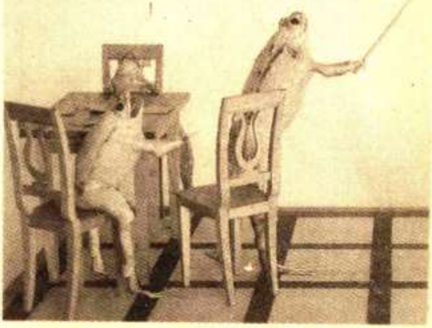

مینڈک کے بچے کلاس میں

پچھلی صدی میں یوں تو بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے فن میں کمال حاصل کیا اور اپنی بنائی ہوئی چیزوں سے دنیا کو حیرت زدہ کر دیا۔ لیکن بہت ہی غیر معمولی مہارت کا مظاہرہ کرنے والوں میں سوئٹزرلینڈ کے فرانسوا پیریئر نے مینڈکوں کو اپنی شہرت کا ذریعہ بنایا۔ پیریئر سوئٹزرلینڈ میں اسٹاوایئرلے لاک نامی ایک چھوٹے سے شہر کا رہنے والا تھا۔ وہ پوپ کے محافظوں میں کپتان تھا۔ وہاں کی ملازمت ختم ہونے کے بعد وہ اپنے شہر واپس آگیا۔ ملازمت چھوڑنے کے سات سال بعد ۷۴ سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا۔ ان ۷ سالوں کے دوران اس نے مینڈکوں کی تصبیر یا ٹیکسی ڈرمی کا مشغلہ اختیار کیا۔

ٹیکسی ڈرمی اس طریقے کا نام ہے جس کے ذریعہ سے کسی مُردہ جانور کی کھال اور ہڈیوں کو احتیاط کے ساتھ جانور کے گوشت سے علاحدہ کر لیتے ہیں۔ پھر اس کھال کے اندر کوئی ایسی چیز بھر دی جاتی ہے جس کے گلنے یا سڑنے کا ڈر نہ ہو۔ اس طرح اس جانور کے

مینڈک حجام کی کرسی پر

ایک مینڈک گلہری پر سواری کر رہا ہے

جسم کو کافی لمبے عرصے تک محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

ٹیکسی ڈرمی کے لیے پیریئر نے اپنے شہر میں ملنے والے مینڈک استعمال کیے۔ مینڈکوں کی ٹیکسی ڈرمی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن پیریئر نے اس فن میں کمال حاصل کر لیا۔ مینڈک کا گوشت علاحدہ کرنے کے بعد جب مینڈک کی کھال اور ہڈیاں باقی رہ جاتیں تو وہ اس میں ریت بھر دیتا۔ مینڈک کو جس پوزیشن میں رکھنا ہوتا ریت اسی حساب سے بھری جاتی تھی۔ اوپر سے گہری گہری وارنش اس پر پھیر دی جاتی تھی۔

جب پیریئر کا انتقال ہوا تو وہ مینڈک کی تین قسموں کے دو سو مینڈک تیار کر چکا تھا۔ ان میں سے ایک سو آٹھ مینڈک محفوظ رہ سکے اور آج میونسپل میوزیم، ایٹائر لے لاک میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔

پیریئر کا مقصد صرف یہ نہیں تھا کہ مینڈکوں کی

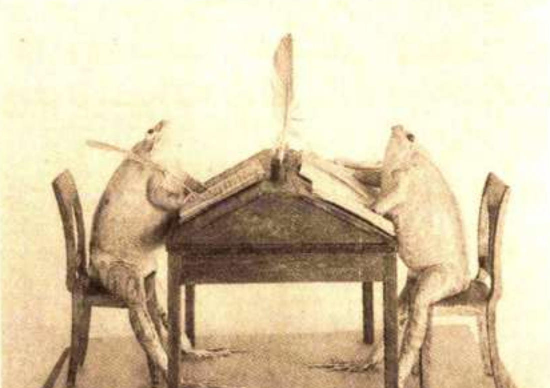

دفتر کی میز پر مینڈک کام میں مصروف ہیں

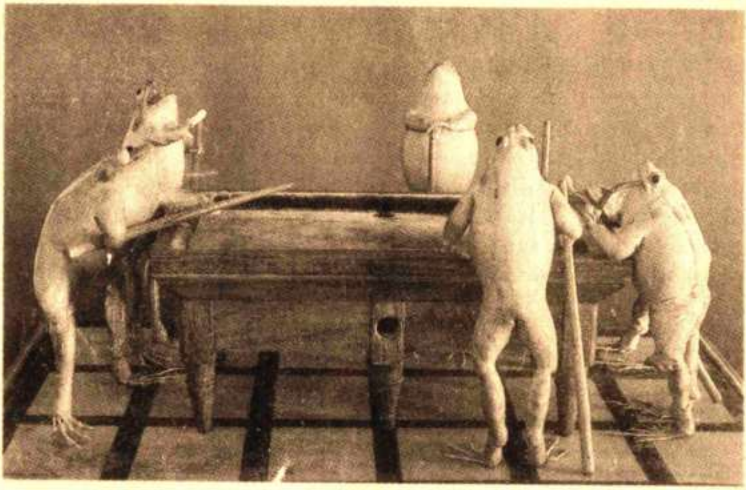

مینڈک بلیرڈ کھیل رہے ہیں

ٹیکسی ڈرمی کردی جائے جس طرح اور جانوروں کی کی جاتی ہے۔ اس کے خیال میں یہ مینڈک اس دنیا کے مختلف کردار تھے جن کے مختلف مناظر نے اس عجائب گھر کو ایک ممتاز حیثیت دی۔ اس کے بنائے ہوئے مختلف منظروں میں سے سب سے بڑے منظر میں بیس مینڈک استعمال ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک کی اپنی شخصیت ہے۔ جس مہارت سے پیریئر نے مینڈکوں کے آس پاس کا ماحول اور فرنیچر وغیرہ دکھایا ہے، اس کی وجہ سے یہ چھوٹی سی دنیا دیکھنے کی چیز بن گئی ہے۔

عجائب گھر میں شامل کچھ منظروں کی تصویریں اس مضمون کے ساتھ دی جارہی ہیں۔ ایک تصویر میں مینڈک دفتر کی میز پر کام میں مصروف ہیں۔ کچھ مینڈک تاش کھیل رہے ہیں۔ ایک مینڈک حجام کی کرسی پر بیٹھا ہے۔ ایک کلاس میں مینڈک کے بچے جمع ہیں۔ کچھ مینڈک بلیرڈ کھیل رہے ہیں۔ ایک مینڈک گلہری پر سواری کر رہا ہے۔

پچھلے ایک سو تیس سال سے میونسپل میوزیم میں مینڈکوں کی اس عجیب و غریب دنیا کو بے شمار لوگ دیکھنے آرہے ہیں اور پیریئر کی مہارت کی داد دے رہے ہیں۔

....

صحت مند نونہال ۔ صحت مند پاکستان

بزم ہمدرد نونہال

"دنیا بھر میں بچّوں کو قوم کا قیمتی سرمایہ تسلیم کیا جاتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت اور نشوونما پر خصوصی توجہ کی جاتی ہے۔ یہی بچے بڑے ہو کر لائق و فائق افسر، بہادر اور ذہین نوجوان بنتے ہیں۔ نئی نسل سے مایوسی کا اظہار کرنا آج کل فیشن بن گیا ہے، مگر میں ذاتی طور پر اس نسل کی کارکردگی سے مطمئن ہوں۔ مجھے ان پر پورا اعتماد ہے۔ بے شمار دشواریوں کے باوجود پاکستان کے نونہال ان شاء اللہ اس ملک کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کریں گے۔ یہ نسل ہمارے زمانے کے مقابلے میں زیادہ باخبر، زیادہ ذہین اور زیادہ مضبوط ہے۔ جب میں آج کی نسل کا مقابلہ اپنے زمانے کی نسل سے کرتا ہوں تو آج کی نسل کی فوقیت دیکھ کر بے حد خوش ہوتا ہوں۔"

ان خیالات کا اظہار ۱۶ اکتوبر بروز اتوار کو کراچی میں منعقدہ بزم ہمدرد نونہال کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے گورنر سندھ جناب جسٹس قدیر الدین احمد صاحب نے کیا۔ اس بار شہر کے حالات کی وجہ سے لوگوں کا خیال تھا کہ آج کی بزم میں بہت کم نونہال شریک ہوں گے، مگر ساڑھے تین بجے سہ پہر سے پہلے موتی محل آڈی ٹوریم پورا بھر چکا تھا اور اوپر کی گیلری بھی وقت سے

پہلے ہی بھر گئی تھی۔ اب لوگوں نے نونہالوں کی بزم میں اُن کی بے تحاشا شرکت کو دیکھ کر حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔ کیوں کہ حالات کیسے ہی ہوں، کراچی کے نونہال کسی قیمت پر بھی اپنی اس محفل کو نہیں چھوڑتے۔ وہ ہر حالت اور ہر صورت میں ہر قسم کی پریشانی کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی اس بزم میں پورے جوش و خروش سے شریک ہوتے ہیں۔ مہمانِ خصوصی گورنر سندھ محترم جسٹس قدیر الدین احمد صحیح وقت پر ہال میں موجود تھے۔ مہمان کے ساتھ میزبانِ خصوصی جناب حکیم محمد سعید صاحب بھی بالکل ٹھیک وقت پر آچکے تھے۔ اب بزم کا آغاز ہوا۔ نونہال فیصل شریف نے تلاوتِ قرآن حکیم اور اس کا ترجمہ پیش کیا اور نونہال محمد قاسم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعت پیش کی۔

اب باری ننھی نونہالوں کے دوست اور ہمدرد کی۔ جناب حکیم محمد سعید آج بڑے موڈ میں تھے۔ آپ نے اپنے ہلکے پھلکے انداز میں نونہالوں سے خوب مزے دار باتیں کیں۔ حاضرین جی بھر کر لُطف اندوز ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ آج میں نے اس ڈائس کو خوب مضبوط کرا دیا ہے، کیوں کہ مجھے نونہال بھی بڑے موڈ میں نظر آرہے ہیں۔ کہیں وہ جوش میں ہاتھ مار مار کر اسے توڑ نہ دیں۔ آپ نے فرمایا، "آج کی بزم کا موضوع ہے "صحت مند نونہال ۔ صحت مند پاکستان"۔ ہمیں مستقبل میں صحت مند نونہالوں اور نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ صحت اور تعلیم ہماری زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں جن کے بغیر ترقی ممکن نہیں۔ ہم پاکستان کو بہت طاقت ور اور عظیم ملک بنانا چاہتے ہیں۔ اچھی صحت کے بغیر تعلیم ممکن نہیں۔ اس بات پر والدین اور استادوں کو توجہ کرنی چاہیے۔ اچھی صحت ہمیں اس

نونہال نعت خواں
محمد قاسم

نونہال قاری
فیصل شریف

لیے نہیں چاہیے کہ آپس میں لڑیں۔ صحت تو تعمیر کا نام ہے۔ آپ نے اس موقع پر یہ بھی بتایا کہ پاکستان سورۂ رحمٰن کی تفسیر ہے۔ آپ نے نونہالوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہماری سرزمین کو ہر طرح کی نعمت سے مالا مال کیا ہے۔ آپ نے گورنر صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: "گورنر صاحب! دیکھیے اس ملک کے بچّے کتنے بہادر ہیں۔ ان حالات میں بھی یہ اپنی محفل میں موجود ہیں۔ یہ بچّے بڑوں سے بہت اچھے ہیں۔"

اپنی تقریر کے آخر میں حکیم صاحب نے اعلان کیا کہ بزم ہمدرد نونہال آئندہ مہینے سے پشاور اور راول پنڈی میں بھی شروع ہو رہی ہے۔ تالیوں کی گونج میں حکیم صاحب اپنی تقریر ختم کر کے واپس اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد پروگریسیو چلڈرن اکیڈمی کے نونہالوں نے ایک دعائیہ نغمہ پیش کیا:

ہم زندہ قوم ہیں پائندہ قوم ہیں
ہم سب کی ہے پہچان ہم سب کا پاکستان پاکستان
ہم سب کا پاکستان

نغمے پر تمام حاضرین نے دل کھول کر نونہال گلوکاروں کو داد دی۔ اس کے بعد تقریری مقابلے کا آغاز ہوا۔ "صحت مند نونہال ــ صحت مند پاکستان" کے موضوع پر نونہالوں نے خوب تقریریں کیں اور محفل سے داد حاصل کی۔ ان سب نونہالوں نے صحت مند ہونے کا مطلب صحت مند دماغ

مہمانِ خصوصی گورنر سندھ عالی جناب جسٹس قدیر الدین احمد اور میزبان جناب حکیم محمد سعید

قرار دیا۔ دماغ اگر صحت مند ہو گا تو انسان اچھی اچھی باتیں سوچے گا اور اچھے اچھے کام کرے گا۔ اس کے لیے ظاہر ہے جسمانی صحت بھی ضروری ہے، مگر سب سے اہم دماغ اور کردار کی صحت ہے جس کے بغیر کوئی ترقی ممکن نہیں۔ نونہال مقررین میں کئی ایسے معصوم اور بھولے بھالے نونہال بھی تھے جن کے معصومانہ لب و لہجے نے محفل کو لوٹ لیا۔ ان ننھے مُنّے بچّوں کے منھ سے ایسی سمجھ داری اور ذہانت کی باتیں اور وہ بھی دلیلوں کے ساتھ سُن کر لوگ پھڑک گئے۔ خوب رنگ جما۔ نونہال مقررین میں پروگریسیو چلڈرن اکیڈمی کے عبدالحفیظ، اپوا اسکول کی شازیہ بشیر، گورنمنٹ گرلز اسکول کی ثمرین ذیشان، گرین پبلک اسکول کے کامران حیدر، گلستان پبلک اسکول کے عبید یوسف، ایچی سن ماڈل اسکول کے نعمان بن ناصر، لٹل فلاورز اسکول کی عروج اخلاق اور وھائٹ ہاؤس گرامر اسکول کے حسّان احمد خاں شامل تھے۔

نونہالوں کی تقریروں کے بعد ہال میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ اب جناب جسٹس قدیر الدین احمد صاحب نے جو اس محفل کے مہمانِ خصوصی تھے اپنی تقریر شروع کی۔ جسٹس صاحب نے فرمایا:

آج ان بچّوں کی تقریریں سُن کر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ حکیم صاحب نے مجھے اس تقریری مقابلے میں حصّہ لینے کی دعوت نہیں دی ورنہ ان نونہالوں کے جوش و خروش کے آگے میں کیا کرتا؟ آپ نے فرمایا کہ اس جوش کو دیکھ کر بچّوں کی صلاحیتوں کا یہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے اس

عروج اخلاق، کامران حیدر اور شازیہ بشیر تقریر کر رہے ہیں۔

ثمر بن ذیشان، حسان احمد اور عبدالحفیظ کا جوش و خروش

بزم میں شرکت کرنے اور نونہالوں سے باتیں کرنے کا موقع دینے پر جناب حکیم محمد سعید صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ آپ نے حکیم صاحب اور ان کے ساتھیوں کو اس کام پر مبارک باد دی اور ایسی تقریبات کو صحت مند روایت کا آغاز قرار دیا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ ان نونہالوں نے جس سلیقے، قرینے سے جسمانی اور ذہنی تن درستی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ باعثِ فخر ہے۔ آپ نے بچّوں کے لیے دُعا کی کہ وہ مستقبل میں کام یابیاں حاصل کریں۔ آپ نے بڑوں پر زور دیا کہ وہ بچّوں کو جائز ناجائز کا فرق بتائیں۔ ان کی مایوسیاں ختم کریں۔ آپ نے اساتذہ اور والدین سے کہا کہ آپ ان کو بتائیے کہ علم ہی

معصوم نونہال مُعَوّز بن نعمان بن ناصر اور عبید یوسف

گرینڈ فوکس انگلش اسکول کے بچّے نغمۂ نونہال پیش کر رہے ہیں۔

ان کا اصل اثاثہ ہے۔ صرف سندیں حاصل کرنا کوئی کام نہیں۔ آپ نے بچّوں کو نصیحت کی کہ ہمیشہ سچ بولیں، ایک دوسرے سے محبّت کریں۔ والدین اساتذہ اور اپنے سب بڑوں کی عزّت اور احترام کریں۔
آپ نے آخر میں فرمایا:
"حکیم صاحب آپ کے دوست اور ہمدرد ہیں۔ ان کی نصیحتوں اور ہدایتوں پر عمل کریں۔ آپ زندگی

نعمان بن ناصر کو جناب جسٹس قدیرالدین احمد انعام دے رہے ہیں۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب نعمان کو شاباشی دینے کے لیے جھک گئے ہیں۔

میں ہمیشہ کام یاب ہوں گے۔ جو سورج نونہالوں کی پیشانیوں سے طلوع ہو رہا ہے وہ کبھی غروب نہیں ہوگا۔"

گورنر صاحب کی تقریر ختم ہوئی۔ نونہالوں نے زوردار تالیاں بجا کر آپ کی نصیحتوں پر عمل کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ اس کے بعد صحت کوئز ہوا۔ صحت سے متعلق دل چسپ سوالات کیے گئے۔ ہر سوال کے لیے سیکڑوں بچّے ہاتھ اُٹھاتے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسالہ ہمدرد نونہال پڑھنے والے بچّے صحت کے بارے میں بڑی اچھی معلومات رکھتے ہیں۔ جن بچّوں نے صحیح جوابات دیے اُن کو قلم انعام میں دیے گئے۔

صحت کوئز کے بعد گرینڈ فوکس اسکول کے طالب علموں نے ایک خوب صورت ملّی نغمہ پیش کیا۔

انعام حاصل کرنے والے نونہالوں کے ساتھ گورنر سندھ جناب جسٹس قدیر الدین، جناب حکیم محمد سعید
محترمہ سعدیہ راشد اور جناب مسعود احمد برکاتی

آخر میں تقریر کرنے والے نونہالوں کو مہمان خصوصی جناب جسٹس قدیر الدین احمد صاحب نے ہمدرد فاؤنڈیشن کی جانب سے انعامات تقسیم کیے اور گورنر صاحب اور حکیم صاحب کے ساتھ انعام پانے والے بچّوں نے تصویریں کھنچوائیں۔ چائے بسکٹ کی تواضع پر بزم ختم ہوئی۔

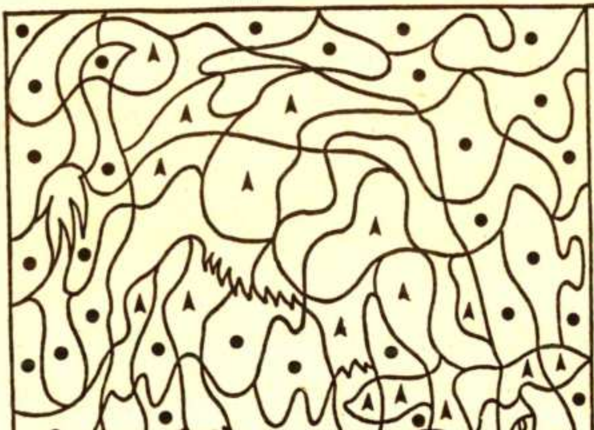

تصویر بنائیے

اس شکل میں کچھ نقطے بنے ہیں اور کچھ تیر۔ اگر آپ سبز رنگ سے تمام نقطوں کو ملائیں تو ایک جانور کی تصویر بنے گی اور سرخ رنگ سے تیروں کو ملائیں تو دوسرے جانور کی تصویر بنے گی۔

ہمدرد انسائیکلوپیڈیا

علی ناصر زیدی

س : مُردہ جسم پانی پر کیوں تیرتا ہے؟ نائلہ بختیار، کوہاٹ

ج : ڈوبنے سے پہلے زندہ جسم عام طور سے بہت سا پانی پی لیتا ہے خواہ وہ انسان ہو یا کوئی جانور۔ ان کے پیٹ غبّارے کی طرح پھول جاتے ہیں، اس لیے وہ مرنے کے بعد پانی کی سطح پر آجاتے ہیں۔

س : کسی لذیذ چیز کو دیکھ کر منھ میں پانی کیوں بھر آتا ہے؟

جاوید اقبال، رانی پور، خیرپور

ج : ہمارے منھ کا لعاب کھانے کو ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ غذا کو اچھی طرح چبا لینا چاہیے تاکہ یہ لعاب اُس میں اچھی طرح شامل ہو جائے۔ جب ہم کسی لذیذ چیز کو دیکھتے ہیں تو دماغ کہتا ہے کہ اسے کھانا چاہیے اور منھ کا لعاب اُسے ہضم کر لینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ ایسی غذا کو دیکھتے ہی یہ لعاب اُن پوشیدہ غدودوں میں سے زیادہ مقدار میں نکل آتا ہے جو ہماری زبان اور اس کے آس پاس موجود ہیں۔ اسی کو ہم منھ میں پانی بھر آنا کہتے ہیں۔

س: ٹیلے وژن میں آواز اور تصویر کس طرح آتی ہے؟

سعید احمد اختر، ترنڈہ سرائے خاں

ج : ٹیلے وژن کی ایجاد صرف اس وجہ سے ممکن ہوئی کہ روشنی اور بجلی میں قدرتی طور پر ایک تعلق پایا جاتا ہے۔ ٹیلے وژن اسٹوڈیو میں خاص طرز کا ایک کیمرا استعمال کیا جاتا ہے جو

تصویریں لیتے ہوئے روشنی کو برقی سگنلوں یا ارتعاشات میں تبدیل کرتا رہتا ہے۔ یہ ارتعاشات ٹیلے وژن کے اونچے کھمبے یعنی ٹرانسمیٹر سے نشر ہو کر تیزی سے آپ کے ٹیلے وژن سیٹ میں داخل ہوتے ہیں جہاں برعکس عمل ہوتا ہے اور برقی ارتعاشات دوبارہ روشنی میں تبدیل ہو کر ٹیلے وژن کے خاص پردے پر وہی منظر پیش کر دیتے ہیں جو اسٹوڈیو میں جاری ہے۔

جہاں تک آواز کا تعلق ہے تو آپ نے دیکھا ہو گا کہ اسٹوڈیو میں ایک یا زیادہ لاؤڈاسپیکر بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ وہ آواز کی لہروں کو برقی ارتعاشات میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ان ارتعاشات کو بھی نشر کر دیا جاتا ہے اور آپ کے ٹیلے وژن سیٹ میں یہ انتظام ہوتا ہے کہ وہ ان ارتعاشات کو موصول کر کے دوبارہ آواز میں تبدیل کر دے۔ چوں کہ دونوں عمل ساتھ ساتھ جاری رہتے ہیں، اس لیے آپ تصویر اور آواز ساتھ ساتھ دیکھتے اور سُنتے ہیں۔

س: دُم دار ستارہ کیا ہے؟ یہ کب اور کس وقت ظاہر ہوتا ہے؟

حافظ راحیل احمد عباسی، احمد پور شرقیہ

ج: دُم دار ستارہ اصل میں ستارہ نہیں ہوتا جیسے آپ آسمان پر دوسرے ستارے دیکھتے ہیں۔ وہ تو ایک آوارہ جسم ہوتا ہے جو ہماری زمین اور دوسرے سیاروں کی طرح سورج کے چاروں طرف گردش کرتا ہے۔ عام طور سے ایسے جسم کا قطر ۱۰ کیلو میٹر (چھے میل) ہوتا ہے۔ اس میں برف اور گرد د غبار شامل ہوتا ہے۔ خلا میں ایسے لاکھوں کروڑوں اجسام آوارہ گھومتے رہتے ہیں۔ وہ سب سورج کے چاروں طرف گردش کرتے ہیں اور پورے نظام شمسی میں پائے جاتے ہیں۔ بعض کے مدار نہایت وسیع ہیں اور وہ کافی لمبے عرصے میں سورج کے چاروں طرف ایک بار گردش کرتے ہیں۔

جب ایسا کوئی جسم سورج کے قریب سے گزرتا ہے تو اُس کی زبردست حرارت سے اس جسم کا کچھ حصّہ گیس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کا سر موٹا اور دُم بہت لمبی ہوتی ہے۔ اس وقت اس کی چمک بڑھ جاتی ہے۔ وہ سورج کی روشنی کو منعکس کر کے چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ ایک تارے کی دُم تو اتنی لمبی تھی کہ زمین سے سورج تک کا فاصلہ اُس سے کم تھا۔

ہیلے کا دُم دار تارا سب سے زیادہ مشہور ہے جسے سب سے پہلے ۸۶ قبل مسیح میں دیکھا گیا تھا لیکن ہیلے نے اسے ۱۶۸۲ء میں تاڑا اور وہ اسی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ پچھلی مرتبہ وہ ۱۹۸۶ء میں زمین سے پھر دیکھا گیا تھا۔

س : کیا چاند اور سورج ایک ہی سائز کے ہیں؟ نام نامعلوم، کراچی

ج : نہیں، چاند ہماری زمین کا سیّارہ ہے اور ہم سے تقریباً دو لاکھ چالیس ہزار میل دُور ہے۔ چاند کا قطر تقریباً دو ہزار ایک سو میل ہے۔ اس کے برعکس سورج ایک ستارہ ہے اور ہماری زمین اور نظام شمسی کے دوسرے سیّاروں کا انحصار اُسی پر ہے۔ ہم سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل کے قریب ہے۔ اُس کا قطر ہماری زمین کے قطر کے سو گُنے سے بھی زیادہ ہے۔

س : کیمرا کس اُصول پر اور کیسے کام کرتا ہے؟

مشتاق علی، ریاض علی، میمونہ نسیم، جمیلہ اختر، میاں چنّوں

ج : کیمرے کا بنیادی پُرزہ اُس کا لینس ہے جس میں روشنی داخل ہوتی ہے تو وہ اُسے ایک جگہ جمع کر دیتا ہے۔ یہ روشنی فلم پر پڑتی ہے جو کیمرے میں پیچھے لگی ہوئی ہوتی ہے۔ فلم پر نہایت حساس کیمیکل لگے ہوتے ہیں جو سامنے کی چیز کا عکس قبول کر لیتے ہیں۔ روشنی کی مقدار کنٹرول کرنے کے لیے شٹر اور اپرچر سے مدد لی جاتی ہے جو ایک سوراخ ہوتا ہے، جس میں سے روشنی گزرتی ہے۔ فلم کو کیمرے سے نکال کر خاص قسم کے محلول میں دھو لیا جاتا ہے تو اس پر یہ عکس پختہ ہو جاتے ہیں اور نگیٹو تیار ہو جاتے ہیں۔ نگیٹو کی مدد سے خاص قسم کے ایک کاغذ پر پرنٹ بنا لیے جاتے ہیں جو تصویر کہلاتے ہیں۔

س : کاربن ٹرانسمیٹر کیا ہوتا ہے اور اس کا کیا کام ہوتا ہے؟ روبینہ جوزف، کراچی

ج : ٹیلے فون کا وہ حصّہ جس میں ہم بولتے ہیں، ٹرانسمیٹر یا کاربن ٹرانسمیٹر کہلاتا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ آواز کی لہروں کو برقی لہروں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس لحاظ سے اُسے بے حد حسّاس بنایا جاتا ہے تاکہ ہلکی آواز ہلکی برقی لہروں میں اور قوی آواز قوی برقی لہروں میں تبدیل ہوتی رہے۔ اس حصّے کو کاربن مائکرو فون یا کاربن ٹرانسمیٹر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں کاربن کے ہزاروں چھوٹے چھوٹے ذرات بھرے ہوتے ہیں جو برقی رَو کا اچھا موصل ہوتے ہیں۔ وہ کبھی قریب آ کر اور کبھی ایک دوسرے سے ہٹ کر ہر طرح کی آواز کو برقی لہروں میں تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ٹیلے فون پر ہر زبان میں گفت گو کر سکتے ہیں۔

مِسواک
ہمدرد انٹرنیشنل ٹوتھ پیسٹ

درخت پیلو/مِسواک کی بہ حیثیت محافظِ دنداں سب سے پہلے غیبی دریافت ارضِ قرآن اور مطلعِ اسلام مدینۂ منورہ میں ہوئی اور پھر عہد بہ عہد متعدد تہذیبوں نے اور مختلف ثقافتوں نے مِسواک کی سُنّت اور بے انتہا افادیت سے ہمیشہ فیض پایا ہے۔ آج کہ سائنس انکشافات کی عظمتوں کو پا رہی ہے اور اکتشافات کی رفعتوں کو چھو رہی ہے، عصری سائنس نے مسوڑھوں کی صحت اور دانتوں کی حفاظت کے لیے پیلو/مِسواک کی افادیت کی بہ ہمہ وجوہ تائید کی ہے۔

ہمدرد کو یہ امتیاز حاصل ہوا ہے کہ اس نے بہ ہمہ تحقیقاتِ سائنسی محافظِ دنداں درخت پیلو/مِسواک سے اپنی سائنسی لیبوریٹریوں میں پہلے ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تیار کیا اور پھر اب پیلو فارمولے سے بین الاقوامی ٹوتھ پیسٹ 'مِسواک' پیش کیا اور تمام دنیا کے لیے حفاظتِ دنداں کا سامان کیا۔

مِسواک
ہمدرد انٹرنیشنل ٹوتھ پیسٹ

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

پیلو کے بڑے سائز کے طور پر اب پاکستان میں مِسواک بھی دستیاب ہے۔

آوازِ اخلاق
پاکستان سے محبت کرو - پاکستان کی تعمیر کرو

ADARTS-MHT-1/88

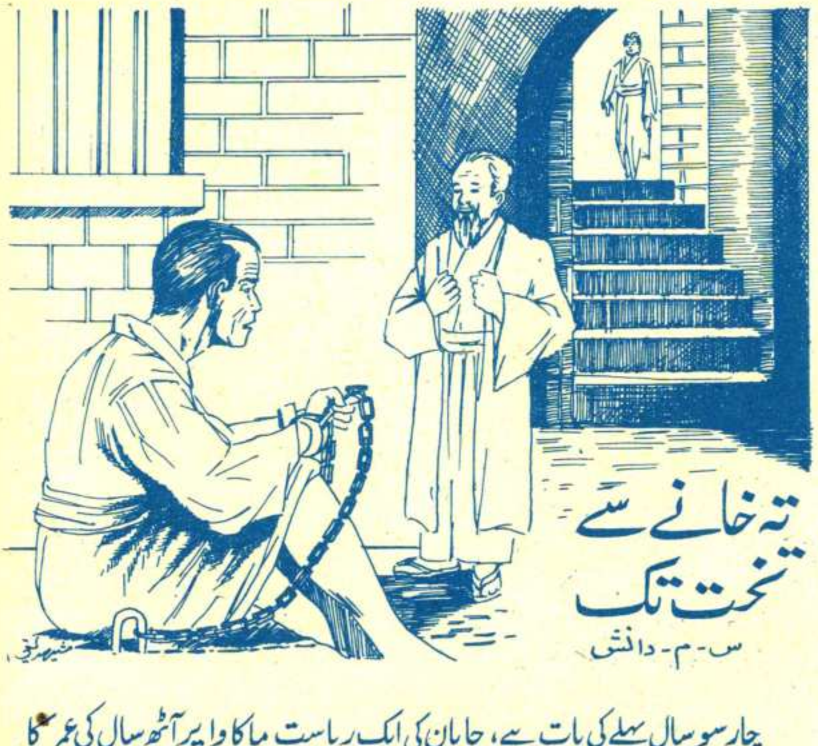

تہ خانے سے تخت تک

س۔م۔ دانش

چار سو سال پہلے کی بات ہے، جاپان کی ایک ریاست ماکا وا پر آٹھ سال کی عمر کا ایک ذہین نونہال حکم رانی کیا کرتا تھا۔ اس کا نام 'توکوگاوا' تھا۔ 'توکوگاوا' کو حکم رانی کرنے کا حق اس کے باپ کے مرنے کے بعد حاصل ہوا تھا۔ رعایا اپنے ننھے بادشاہ سے بہت خوش تھی، مگر ماکاوا کے قریب ایک اور ریاست کے حکم راں ایماگاوا یوشومیتو نے اسے کمزور اور یتیم سمجھ کر اس کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔

قبضہ کر لینے کے بعد یوشومیتو نے سوچا کہ اگر 'توکوگاوا' کو آزاد رہنے دیا اور اس نے بڑے ہو کر قوت حاصل کر لی تو یہ ضرور اپنی حکومت واپس لینے کی کوشش کرے گا۔ یہ خیال آتے ہی اس کا مجرمانہ ذہن اس آنے والے خطرے سے نجات حاصل کرنے کی ترکیب سوچنے لگا۔ اس کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر وزیر نے پریشانی کا سبب دریافت کیا۔ یوشومیتو کی پریشانی سُن کر وزیر خوف سے سہم گیا۔ وہ ڈرا کہ کہیں یوشومیتو ننھے توکوگاوا کو جان سے

ہی ختم نہ کرا ڈالے۔ وہ بادشاہ کو مشورہ دیتے ہوئے بولا، "حضور! میری ناقص رائے یہ ہے کہ کم سِن شہزادے کو محل میں موجود خفیہ تہ خانے میں بند کر دیا جائے۔ وہاں اس سے کوئی مِل نہیں سکے گا اور یوں جب وہ تعلیم و تربیت کے بغیر جوان ہوگا تو اس کے ذہن میں اپنی سلطنت واپس لینے کا خیال کبھی نہیں آئے گا"۔ یوشومیتو نے وزیر کی تجویز سے اتفاق کیا اور فوراً ہی شہزادے کو تہ خانے میں نظر بند کر دینے کا حکم صادر کر دیا۔

توکوگاوا کو نظر بند ہوئے دو سال گزر گئے۔ اب وہ دس سال کا ہو گیا تھا۔ اس کے والد کے زمانے کے ایک نمک خوار اور ہمدرد خادم کو شہزادے کا خیال آیا۔ وہ اس کی دِل جوئی کے لیے تسوگومی نامی ایک خوب صورت جاپانی پرندے کو لے کر تہ خانے کے محافظ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا، "یہ پرندہ شہزادے کے پاس پہنچا دو۔ یہ پرندہ بُھدکی اور پپیہے کی آوازوں کی نقل بھی خوب اچھی اُتار لیتا ہے۔ شہزادہ اس پرندے سے بہت خوش ہوگا اور اس کا دِل بہلے گا"۔ محافظ نے وہ پرندہ اسی پیغام کے ساتھ شہزادے کی خدمت میں پیش کر دیا۔ شہزادے نے اس کی بات سُن کر جواب میں کہا، "واقعی یہ پرندہ بہت خوبصورت ہے اور دوسروں کی نقل بھی اچھی طرح اُتار لیتا ہے، مگر یہ اپنا ہی گیت سُنانے کی اچھّی مشق کرتا تو اور بھی اچھا ہوتا۔ نقلچی کی کیا تعریف کی جائے، اس لیے اسے شُکریے کے ساتھ واپس کر دیں"۔

محافظ 'توکوگاوا' کے جواب سے بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے آپس میں کہا، "شہزادہ بہت ذہین ہے، اگر اسے تعلیم و تربیت کا موقع ملے تو اپنا حق ضرور واپس حاصل کرے گا"۔

جس تہ خانے میں توکوگاوا کو بند کر کے رکھا گیا تھا وہیں قریب میں آبے کاوا نامی ندی بہتی تھی۔ ندی کے کنارے پر چھوٹی بڑی ملی جُلی عُمروں کے بچے "ایشا گاسیتن" کھیل کھیلتے تھے۔ اس کھیل میں بچّے ندی کے کناروں پر آمنے سامنے کھڑے ہو جاتے اور ایک دوسرے پر پتّھر پھینکتے۔ چھوٹے چھوٹے پتّھر اٹھا کر ایک دوسرے پر پھینکتے اور جو ٹیم سامنے سے ڈر کر بھاگ جاتی وہ شکست خوردہ تسلیم کی جاتی۔ ایک بار محافظوں نے سوچا کہ اس کھیل میں شہزادے کو بھی شریک کیا جائے۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انھوں نے پہلے یوشومیتو سے اجازت حاصل کر لی۔ شہزادے کے محافظوں نے فیصلہ کیا کہ ندی کے جس کنارے کی طرف بچّوں کی تعداد زیادہ ہو شہزادے کو اُسی طرف کھڑا کیا جائے تاکہ اسے کوئی پتھر نہ لگ سکے۔ ان کا

خیال تھا کہ جس کنارے پر زیادہ بچّے ہوں گے وہی فتح یاب ہوں گے، مگر جب یہ بات شہزادے کو معلوم ہوئی تو اُس نے محافظوں کے خیال کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ وہ ندی کے اس کنارے پہ کھڑا ہو گا جدھر بچّے کم ہوں گے۔ محافظ شہزادے کے خیال پر بڑے حیران ہوئے، مگر آخر اُنھیں اسی کی بات ماننا پڑی۔

مقابلہ شروع ہُوا۔ زیادہ لڑکوں نے خوب سنگ باری کی اور ایک مرحلے پر ایسا نظر آنے لگا کہ کم بچّوں والی ٹولی ہار جائے گی، مگر وہ میدان چھوڑ کر بھاگے نہیں اور ثابت قدمی سے مقابلے پر ڈٹے رہے۔ پھر محافظوں نے عجیب و غریب منظر دیکھا۔ وہ یہ کہ زیادہ تعداد والی ٹیم کے بچّے ایک ایک کر کے کم ہونے لگے، یہاں تک کہ ان کی طرف کا کنارہ خالی میدان رہ گیا اور کھیل کے اصول کے مطابق بڑے گروپ نے میدان سے ہٹ کر اپنی شکست تسلیم کر لی۔

شہزادہ 'توکوگاوا' اپنے کم تعداد بچّوں کے گروپ کی فتح سے بہت خوش ہوا۔ اس کے محافظوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر سوال کیا، "شہزادے! آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ کم تعداد والا گروپ جیتے گا، جو آپ نے اسی طرف رہنے کا فیصلہ کیا؟"

شہزادے نے مُسکرا کر کہا، "زیادہ تعداد والے گروپ کے بچّوں نے یہ سوچ کر بے پروائی کا مظاہرہ کیا کہ ان کی تعداد زیادہ ہے، وہ تو جیت ہی لیں گے اور اسی خیال سے انھوں نے جیتنے کے لیے خاص کوشش نہیں کی اور کم تعداد والوں نے یہ سوچ کر کہ ان کی تعداد کم ہے جان توڑ کوشش کر کے مقابلہ کیا اور جیتنے کے لیے پُورا پُورا زور لگایا۔ بے پروائی اور غرور سے بڑھ کر کوئی اور چیز خطرناک نہیں۔ فتح کے لیے تو ایڑی چوٹی کا زور لگانا ہی پڑتا ہے۔"

شہزادے کا یہ عقل مندی کا جواب سُن کر اب تو پہرے داروں کو یقین ہو گیا کہ توکوگاوا ایک دن ضرور اپنی سلطنت واپس حاصل کر لے گا، چاہے یوشومیتو اُسے ہزار تہ خانوں میں نظر بند رکھے۔

وقت گزرتا رہا اور شہزادہ اپنی عمر کی منزلیں طے کرتا رہا۔ جب وہ اُنیس سال کا ہو گیا تو یوشومیتو نے یہ سوچ کر کہ اب وہ تعلیم و تربیت سے محروم ایک بے صلاحیت معمولی سا نوجوان ہے اُسے اپنے محافظ دستے میں شامل کر لیا تاکہ وہ اس کی نظروں کے سامنے ہی رہے۔

یوشومیتو نے اب تک اپنی سلطنت کو کافی وسیع کرلیا تھا۔ وہ بہت موقع پرست، چالاک اور طاقت ور حکمراں تھا۔ توکوگاوا کی ریاست پر غاصبانہ قبضہ جمانے کے بعد سے اب تک اس نے آس پاس کی تمام ریاستوں کو فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا تھا۔ اس فتح کے نشے میں وہ اس قدر غافل ہُوا کہ انتظامی امور کی طرف سے بے پروائی برتنے لگا۔

آخر وہ دن بھی آ ہی گیا جس کا 'توکوگاوا' کو شدّت سے انتظار تھا۔ یوشومیتو کو جنگوں نے بُری طرح تھکا کر رکھ دیا تھا۔ پھر اب وہ عمر کی اس منزل پر بھی تھا جہاں پہنچ کر جوش اور جذبہ سرد پڑنے لگتا ہے۔ ماتحت ریاستوں کے حکمرانوں نے بھی اس کی کم زوری سے فائدہ اٹھا کر آزادی حاصل کرنی شروع کردی۔ اب 'توکوگاوا' نے اپنے والد کے نمک خوار، قابلِ اعتماد اور ہمدرد ساتھیوں کی مدد سے ایک چھوٹی سی فوج نہایت خفیہ طریقے سے بنا کر یُوشومیتو پر حملہ کردیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ یوشومیتو جس فوج کو معمولی اور غیر تربیت یافتہ سمجھ کر بے پروائی سے مقابلہ کررہا تھا اسی فوج نے اسے میدانِ جنگ میں ختم کردیا۔ یوشومیتو کے مرتے ہی اس کی فوج نے ہتھیار ڈال دیے اور یوں اپنی ثابت قدمی اور عالی ہمّتی سے توکوگاوا پھر اپنی ریاست کے تخت پر بیٹھ گیا۔

جامن۔ جادو لفظ

جامن ایک چھوٹا سا لفظ ہے۔ کہنے کو یہ صرف چار حرفوں کا مجموعہ ہے، لیکن بہت سی صورتیں بدلنے کی قوت رکھتا ہے۔ مثلاً جامن کا پہلا حرف "ج" ہٹا دیا جائے تو امن بن جاتا ہے۔ آخری حرف "ن" ہٹا دیا جائے تو جام بن جاتا ہے۔ اس کا دوسرا حرف "الف" آخر میں لگا دیا جائے تو جمنا بن جائے گا۔ یہ ہمارے پڑوسی ملک بھارت کے ایک دریا کا نام ہے۔ اگر "میم" درمیان سے نکال دیا جائے تو جان بن جاتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے حرف "الف" اور "میم" کو نکال دینے سے جن بن جاتا ہے۔ اگر اس کے آخر کے دونوں حرف اُلٹے کردیے جائیں تو جانم بن جاتا ہے۔ چاروں حرفوں کو گڈمڈ کردینے سے انجم بن جاتا ہے۔

مرسلہ: خلیل احمد فاروقی، ڈیرہ اسماعیل خاں

مُسکراتے رہو

○ استاد (لڑکے کے باپ سے) جناب! آپ کا بیٹا جماعت میں بہت کم زور ہے۔
باپ: اللہ کے فضل سے گھر میں دو بھینسیں ہیں ہیں۔ دودھ مکھن کی کوئی کمی نہیں ہے۔ پھر بھی معلوم نہیں کیوں کم زور ہے۔

مرسلہ: طاہر محمود ہاشمی، خان پور

○ ایک تقریب میں ایک خاتون کی ملاقات ایک ڈاکٹر صاحب سے ہوئی تو خاتون نے مسکرا کر پوچھا:
"ڈاکٹر آف فلاسفی؟"
"نہیں، ڈاکٹر آف میڈیسن۔"
"جنرل۔"
"نہیں، ماہر خصوصی۔"
"آنکھ، ناک اور گلا؟"
"جی نہیں صرف ناک کا۔"
"دونوں نتھنوں کے؟"
"جی نہیں، صرف دائیں نتھنے کا۔"
"معاف کیجیے گا! میں یہ پوچھنا بھول گئی کہ ناک عورت کی ہے یا مرد کی۔"

مرسلہ: نامعلوم

○ استاد جی کلاس میں ایک ڈبا لے کر آئے۔ لڑکوں نے پوچھا:
"اُستاد جی! اس ڈبے میں کیا ہے؟"
استاد نے کہا: "جو دُرست بتائے گا، اسے اس ڈبے سے دو پنسلیں ملیں گی۔"

مرسلہ: کامران بخاری، کوہاٹ

○ ایک فلسفی اور ایک حجّام اکھٹے سفر کر رہے تھے۔ جب رات ہو گئی تو انھوں نے یہ طے کیا کہ باری باری پہرا دیا جائے۔ پہلے حجام کی باری تھی۔ حجام کا دل بہت گھبرایا۔ اس نے تھیلے میں سے اُسترا نکالا اور فلسفی کو گنجا کر دیا۔ جب فلسفی کی باری آئی تو اس نے بے خیالی میں سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگا:
"باری میری تھی اُٹھا حجّام کو دیا۔"

مرسلہ: نامعلوم

○ ایک شخص پہلی بار تقریر کر رہا تھا، تقریر کرتے کرتے جب پہلا صفحہ ختم ہوا تو اس کے الفاظ تھے،
"شیر جیسا بہادر انسان۔"
لیکن اس کے بعد اس نے گھبراہٹ میں دو

صفحے الٹ دیے اور تقریر جاری رکھی.....
"انڈے سے نکلتا ہے۔"

○ ایک جیب کترے نے ایک شخص کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس نے جیب کترے کو پکڑ لیا اور پوچھا، "تم کیا کر رہے ہو؟"

جیب کترا بولا، "میں ماچس تلاش کر رہا ہوں۔"

اس شخص نے کہا، "تم مانگ نہیں سکتے؟"

جیب کترا بولا، "معاف کیجیے! میں اجنبی لوگوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔"

مرسلہ: علیم الرحیم، کراچی

○ مریض نزع کے عالم میں تھا۔ دو ڈاکٹر چادر کے نیچے ہاتھ ڈال کر اس کی نبضیں دیکھ رہے تھے۔ دونوں نے مریض کے بجائے ایک دوسرے کی نبضیں دیکھ ڈالیں۔

"ٹھیک ٹھاک معلوم ہوتا ہے۔" ایک نے کہا۔

"ہاں بس ذرا نشے میں ہے۔" دوسرے نے کہا۔

مرسلہ: عظمیٰ رحمان، اسلام آباد

○ ایک گنجا آدمی ایک شخص سے لڑ رہا تھا۔ لڑتے لڑتے گنجے نے کہا، "تم میرے سر پر ہی چڑھے جا رہے ہو۔"

دوسرا آدمی بولا، "تمھارے سر پر چڑھ کر مجھے پھسلنا ہے کیا؟"

مرسلہ: شاہد عقیل ناگوری، جھڈو

○ استاد: حامد تمھیں معلوم ہے مشہور مشہور لڑائیاں کون کون سی ہیں؟

حامد: جی ہاں یاد ہیں، مگر میری امی جان نے منع کر رکھا ہے کہ گھر کی بات باہر نہیں کیا کرتے۔

مرسلہ: سائرہ سعید، کراچی

○ سیّاح: (ملاح سے) میں دریا میں نہانا چاہتا ہوں۔ اس میں بڑی مچھلیاں تو نہیں ہیں؟

ملاح: آپ اطمینان سے نہائیے، بڑی چھوٹی تمام کی تمام مچھلیوں کو مگرمچھ کھا چکے ہیں۔

مرسلہ: شیریں ظفر

○ ایک صاحب گھوڑے پر بیٹھ کر کہیں جا رہے تھے۔ ان کو راستے میں ان کے دوست مل گئے اور پوچھنے لگے، "آپ کا گھوڑا کہاں ہے؟"

دوست نے حیرانی سے جواب دیا، "اسی پر تو بیٹھا ہوں۔"

دوست نے مسکرا کر کہا، "پوچھنے میں کیا ہرج ہے۔"

مرسلہ: کرن نور، کراچی

○ ایک ڈاکٹر کو مینڈک کو بے ہوش کرنا تھا لیکن اسے بے ہوش کرنے کی کوئی دوا نہ ملی۔ ایک لڑکا پاس کھڑا تھا، اس نے کہا، "میری جُراب سنگھائیں۔"

ڈاکٹر نے کہا، "مینڈک کو بے ہوش کرنا ہے، مارنا نہیں۔"

مرسلہ: نامعلوم، راول پنڈی

○ ایک دولت مند نے اپنے لیے مقبرہ بنوایا۔ جب وہ تیار ہو گیا تو اس نے معمار سے پوچھا:
"اب اس میں اور کیا چاہیے؟"
معمار: "جناب! آپ کا وجود!"

مرسلہ: ماریہ مقصود، کراچی

○ ایک سڑک پر اس قدر ٹریفک تھا کہ سڑک پار کرنا دشوار تھا۔ ایک آدمی بڑی دیر سے انتظار کر رہا تھا کہ کب موقع ملے اور وہ اس پار جائے۔ سڑک کے دوسری طرف بھی آدمی اسی انتظار میں تھا۔

پہلے نے اسے آواز دے کر پوچھا، "ارے بھئی! تم اس طرف کس طرح پہنچے؟"

"میں تو پیدا ہی اس طرف ہوا تھا۔" دوسرے نے جواب دیا۔ مرسلہ: منیزہ عزیز، کراچی

○ ڈاکٹر: (اپنے ڈاکٹر دوست سے) تمھارا مریض تو صحت یاب ہو گیا۔ اب تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟

ڈاکٹر دوست: دراصل پریشانی اس بات کی ہے کہ اب تک یہ پتا نہ چل سکا کہ وہ کس دوا سے صحت یاب ہوا ہے۔

مرسلہ: امداد حسین بلوچ، شہداد کوٹ

○ ایک آدمی نے اپنے کنجوس دوست سے کہا، "بھئی! اتنے امیر ہو کر اتنے پرانے کپڑے کیوں پہنتے ہو؟ اللہ بخشے تمھارے والد بڑے نفیس کپڑے پہنا کرتے تھے۔"

کنجوس نے جواب دیا، "میں نے اپنے والد مرحوم ہی کے کپڑے پہن رکھے ہیں۔"

مرسلہ: قدسیہ یاسمین، بھکر

○ ایک دکان پر مٹی کا تیل لینے کے لیے لوگ جمع تھے۔ دکان ابھی نہیں کھلی تھی۔ اتنے میں ایک دبلا پتلا بوڑھا آیا اور سب سے آگے جانے لگا۔ وہاں ایک موٹا آدمی تھا۔ اس نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ وہ پیچھے جا کر کھڑا ہوا تو اسے وہاں سے بھی نکال دیا گیا۔ تنگ آ کر بوڑھے نے کہا، "بے وقوفو! مجھے آگے نہیں جانے دو گے تو دکان کون کھولے گا؟"

مرسلہ: شازیہ صابر، لاہور

○ ہر پانچ منٹ کے بعد کار کا انجن گرم ہو جاتا جسے ٹھنڈا کرنے کے لیے ریڈی ایٹر میں بار بار پانی ڈالنا پڑتا۔ پانچویں مرتبہ جب مالک نے کار پانی ڈالنے کے لیے روکی تو پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا نوکر بولا،

"صاحب! آپ نے لاکھ روپے کی گاڑی خریدی تو ڈیڑھ سو روپے اور خرچ کر کے اس میں نل بھی لگوا لیتے تو کیا تھا۔" مرسلہ: رضوانہ بتول، کراچی

○ ایک روز آفندی کے دوستوں نے سوال کیا، "یہ لوگ دن چڑھتے ہی چاروں سمتوں میں کیوں آنے جانے لگتے ہیں؟"

آفندی نے کہا، "ارے اگر سب لوگ ایک ہی طرف چل دیں تو زمین ادھر کو جھک کر الٹ جائے۔"

مرسلہ: بشریٰ قریشی، میانوالی

○ ایک صاحب کو ریڈیو کی خبریں سننے کا بہت شوق تھا۔ ایک بار خبروں کے وقت وہ گھر پر نہیں تھے۔ ان کے لڑکے نے ریڈیو کھولا اور خبریں سننی شروع کر دیں۔ تھوڑی دیر تو ماں دیکھتی رہی، پھر بولی، "بیٹے! بس کرو، کچھ خبریں اپنے باپ کے لیے بھی چھوڑ دو۔" مرسلہ: صائمہ مسعود برکاتی، کراچی

صحت مند نونہال

حفصہ نادیہ، کراچی

حیدر عباس، لاہور

محمد یوسف، کراچی

کرن بانو

آصف حسن، کراچی

محمد سلمان ہارون، سکھر

سیما بانو، کراچی

مشرف ولد نذیر

خالد احمد مقبول، کراچی

مہر علی کھتری، چاکیواڑہ

حسیب رحمانی، کراچی

پرویز اختر، کیماڑی

عثمان غنی ساغری، کراچی

محمد ہلال انصاری، کراچی

تقی نذیر، کراچی

نونہال ادیب

حمد

پسند: غلام محمد صابر، ڈیرہ غازی خاں

تُو ہے دو عالم کا والی
یارب تیری شان ہے عالی
تیری قُدرت کے ہیں مظہر
پتّا پتّا ڈالی ڈالی
یارب تیرا ذکر ہے کرتی
کُو کُو کرکے کویل کالی
تیری ذات ہے قائم دائم
باقی ہر شے نقشِ خیالی
چاند میں تیرا نُور ہے مولا
سورج میں ہے تیری لالی
مُفلس ہو یا کوئی شاہ
سب ہیں تیرے در کے سوالی
نظرِ کرم سے بھر دے یارب
صابر کی ہے جھولی خالی

نعت

پسند: عزیز احمد تبسم، طوطا لیے

عقیدت پہ رنگِ دوام آگیا ہے
وہ محبوب ہر خاص و عام آگیا ہے
دو عالم کو جس کی ضیا چاہیے تھی
عرب کا وہ ماہِ تمام آگیا ہے
کھڑے ہیں ادب سے سب اہلِ زمانہ
نبیؐ قابلِ احترام آگیا ہے
خدا کا کرم ہے، نبیؐ کی عنایت
مرا نعت خوانوں میں نام آگیا ہے
ہو نگاہِ کرم کچھ تبسم پہ آقا
ترے در پہ تیرا غلام آگیا ہے

چنوں میاں کی توبہ

مرسلہ: عالیہ خانم سحر حیدری، کراچی

پیارے بچّو سنو کہانی
ایک ننھا کوّا ایک تھی کوئی

رکھے تھے دو انڈے ان کے
انڈوں میں تھے بچے ان کے
بچے انڈے توڑ کے نکلے
دنیا کے سب جلوے دیکھے
چنو اک ان میں کا شریر
ماں کے رہتا دامن گیر
امی امی باہر جاؤں
باہر جا کر سیر کر آؤں
ابو نے ڈانٹا سمجھایا
کم عمری کا خوف دلایا
لیکن پھر بھی باز نہ آیا
چھپ کر ایک دن باہر نکلا
رستہ اس کو کب آتا تھا
اندازے سے جاتا تھا
ہمسائے کے گھر میں آیا
اچھلا، کودا شور مچایا
ہمسائے نے ڈنڈا اٹھایا
اور ڈرا کر اس کو بھگایا
ڈنڈے کھائے سر پر کھائے
رو رو کہتا ہائے ہائے
ابو نے بھی اس کو ڈانٹا
دیر تک امی نے سمجھایا
تب چنو نے توبہ کر لی
گھر رہنے کی ہامی بھر لی

با ادب با نصیب

پسند: تہمینہ جبیں، کراچی

ادب ہی سے انسان انسان ہے
ادب جو نہ سیکھے وہ حیوان ہے
جہاں میں ہو پیارا نہ کیوں کر ادب
کہ ہے آدمیت کا زیور ادب
نہ ہو جس کو اچھے برے کی تمیز
نہ وہ گھر میں پیارا نہ باہر عزیز
بٹھاتے نہیں بے ادب کو قریب
یہ سچ بات ہے بے ادب بے نصیب
(اسماعیل میرٹھی)

نوائے سروش

پسند: عرفان اختر، راول پنڈی

امیدِ فتح رکھو اور علم اٹھائے چلو
عمل کے ساتھ مقدر بھی آزمائے چلو
مسافروں میں مسافت کا ذکر کیا معنی
فضا پکار رہی ہے قدم بڑھائے چلو
بجا بجا کہ اندھیرا ہے شاہراہوں میں
چراغِ فکر جہاں تک جلے جلائے چلو
یہ دور آگ نہیں روشنی ہے منزل کی
قدم ملا کے بڑھو اور علم اٹھائے چلو
سفینہ غرق ہو یا کوئی گھاٹ پر اترے
تمھارا فرض یہ ہے روشنی دکھائے چلو

ملکِ محبّت

پسند: صائمہ ناز، کراچی

یہ شاعر کا سپنا، یہ قائد کی محنت
یہ جوہر کی عظمت یہ شوکت کی شوکت
درخشاں دلوں کی اسی سے ہے راحت
یہی دیس میرا ہے ملکِ محبّت

یہ دہقاں ہمارے یونہی مسکرائیں
یہ چاہت کی دھرتی سے سونا اُگائیں
سدا گیت خوشیوں کے یہ گاتے جائیں
یہ محنت سے اپنا چمن جگمگائیں

یہ فوجی جواں، تازہ دم ہیں جو ہر دم
شکست اپنے دشمن کو دیتے ہیں پیہم
یہ غازی جنھیں بس حفاظت کا ہے غم
مجاہد ہیں مِن جانبِ ربِ اکرم

شکستہ دلوں کا سہارا ہیں بنتے
اعداء پہ پڑتے ہیں بھاری نہتے
صداقت کے پرچم کو اونچا ہیں رکھتے
وطن کی حفاظت بھی ہیں جی سے کرتے

یہ نوری کی فریاد ہے اپنے رب سے
وطن کو ہمارے بچا نظرِ بد سے
جوانوں کو طارق کا تُو حوصلہ دے
کہ عظمت ہو کافوراں کے قدم سے

(ریاض الدین نوری)

زندگی

پسند: سید اشفاق حسین، کراچی

زندگی ظلمت بھی ہے تنویر بھی
زندگی تخریب بھی تعمیر بھی
زندگی کے مختلف مفہوم ہیں
زندگی ہے خواب بھی تعبیر بھی

زندگی سے صبح بھی اور شام بھی
زندگی آغاز بھی انجام بھی
زندگی سے مطمئن کیوں ہے بشر
زندگی ہے موت کا پیغام بھی

زندگی خوش رنگ بھی بے رنگ بھی
زندگی اِک نام بھی ہے ننگ بھی
زندگی کی مختلف ہیں صورتیں
زندگی آئینہ بھی ہے سنگ بھی

زندگی ہے لُطف بھی بیدار بھی
زندگی پابند بھی آزاد بھی
زندگی پُر کیف نغمہ ہی نہیں
زندگی ہے بے اثر فریاد بھی

زندگی ہے ظلم بھی احسان بھی
زندگی ساحل بھی ہے طوفان بھی
زندگی ہر قید سے آزاد سے
زندگی ہے کفر بھی ایمان بھی

ہمارے قائد کا مزار

حامد علی شاہد، لاوہ

۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو کراچی کے مقام پر پیدا ہونے والے بچّے کے بارے میں شاید کسی نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ یہ دُبلا سا کم زور بچّہ بڑا ہو کر نہ صرف مسلم ہند کا محبوب رہنما تسلیم کیا جائے گا بلکہ ایک آزاد خداداد مملکت کا بانی بھی ہوگا۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء سے ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء تک اس محبوب اور عظیم شخصیت کی زندگی محنت اور کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ اس شخصیت کا عظیم کارنامہ مسلم قوم کو اس کی منزل پر پہنچانا ہے۔ قوم کو آخری منزل پر پہنچا کر وہ اس دنیا سے اُٹھ گیا۔ غلام کراچی میں پیدا ہونے والا یہ بچّہ آزاد کراچی میں وفات پا گیا۔ قائدِ اعظم کا مزار کراچی میں ہے جو پورے پاکستان میں دل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آئیے آپ کے مزار پر ایک نظر ڈالیں۔

مزارِ قائد کا نمونہ بمبئی کے مشہور ماہر تعمیرات جناب یحییٰ مرچنٹ نے تیار کیا۔ مزار قائد کا سنگِ بنیاد ۸ فروری ۱۹۶۰ء میں رکھا گیا۔ مزار کی تعمیر کے پہلے مرحلے میں وسیع و عریض چبوترا تعمیر ہوا۔ اس کے نیچے تہ خانہ چودہ سو فیٹ گہرا ہے۔ مقبرے کی بُنیادوں میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان (لاہور) کی دستاویزات اور قائدِ اعظم کی مختصر زندگی کے حالات بھی لکھ کر دفن کر دیے گئے۔

مزار قائدِ اعظم تقریباً چھے لاکھ مربع گز پر شہر کے درمیان میں واقع ہے۔ مزار میں داخل ہونے کے لیے چار بڑے گیٹ ہیں جن میں سے دو مین گیٹ ہیں۔ ایک مین گیٹ جو ایم اے جناح روڈ پر واقع ہے، ۹ بجے صبح سے شب دس بجے تک کُھلا رہتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا مین گیٹ صرف غیر ملکوں کے سربراہوں اور اعلا سرکاری حکّام کی آمد پر کھولا جاتا ہے۔ مزار قائد میں ۲۸ فیٹ چوڑے اور ۵۰ فیٹ لمبے ۱۵ تالاب ہیں۔ ہر ایک کی گہرائی تین فیٹ ہے۔ ہر تالاب میں چار فیٹ لمبے دو دو خوب صورت فوّارے ہیں۔ اس کے علاوہ مزار قائد کے احاطے میں بے شمار درخت ہیں اور ہر درخت کے پیچھے یا دائیں بائیں دو چھوٹی سرچ لائٹیں نصب ہیں جو مزار کے حُسن میں چار چاند لگا رہی ہیں۔

مزار قائد کا گنبد سطحِ زمین سے ۱۲۵ فیٹ بلند ہے جس میں آپ کی قبر واقع ہے۔ یہ سنگِ مرمر کی بنی ہوئی ہے اور اس پر آیاتِ قرآنی کندہ ہیں۔ مزار کے چار چھوٹے اور چار بڑے داخلی دروازے ہیں۔ مقبرے کے گنبد کی تعمیر پر تقریباً چھے لاکھ رُپے خرچ ہوئے۔ مرکزی ہال میں چاندی کا ۱۲ فیٹ لمبا اور ۱۰ فیٹ چوڑا خوب صورت جالیوں کا کٹہرا نصب ہے۔ مزار قائد کے مرکز میں ایک خوب صورت فانوس لٹکا ہوا ہے جو پاکستان کے دوست ملک چین کے سابق وزیر اعظم جناب چُو این لائی نے ۲۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو بہ طور تحفہ بھیجا تھا۔ اس فانوس کی لمبائی ۱۵ فیٹ اور وزن تین ٹن ہے۔ یہ فانوس خوب صورتی کا ایسا نمونہ ہے کہ دیکھنے والے مبہوت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مزار کو ہر وقت روشن رکھنے کے لیے "فلڈ لائٹ" کے تقریباً ۹۰ فیٹ لمبے لوہے کے چار مینار

ہیں۔ دو مینار بڑے ہیں جن میں بارہ بارہ سرچ لائٹیں ہیں اور دو مینار چھوٹے ہیں جن میں سات سات سرچ لائٹیں ہیں۔ یہ مینار مزار کے چار کونوں پر تقریباً سو فیٹ کے فاصلے پر بنائے گئے ہیں۔

مزار کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لیے عملہ ہے جن میں چھبیس چوکی دار، بیس مالی، ۸ فراش اور دیگر ملازمین شامل ہیں۔

بری، بحری اور فضائی فوج کے دستے باری باری چار چار ماہ تک مزارِ قائد پر پہرہ دیتے ہیں۔ آج یہ مزارِ قائد کے بلند ارادوں کا نمونہ ہے اور قائد سے کیے ہوئے وعدوں کی یاد تازہ کر رہا ہے۔

کام وقت پر

فائزہ احمد، سیال کوٹ

ایک تھا لڑکا۔ وہ بہت اچھا بچّہ تھا۔ جب وہ اسکول سے آتا تو سب سے پہلے اسکول کا کام کرتا تھا اور پھر کھیلتا تھا۔ اس کے استاد اور ماں باپ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ ایک دن وہ اسکول سے آیا اور کام کر کے کھیلنے چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا دوست نہیں آیا تو وہ اس کے گھر گیا۔ پتا چلا کہ وہ لاہور گیا ہوا ہے۔ وہ اُداس ہو گیا۔ جب گھر آیا تو اُس کی امّی نے اس سے پوچھا: "بیٹا! کیا بات ہے؟" اس نے بتایا کہ میرا دوست لاہور چلا گیا ہے۔ اُس کی امّی نے کہا،

"کل تم بھی تو اپنے ماموں کے گھر گئے تھے۔ وہ بھی تو اُداس ہوا ہو گا۔ جب آجائے گا تو پھر مل کر کھیل لینا۔"

وہ صبح اُٹھا اور اسکول گیا۔ آج بھی اس کا دوست نہیں آیا تھا۔ گھر آکر اس نے اسکول کا کام بھی نہیں کیا۔ اُس کی امّی نے جب اُس کو کام نہ کرتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے وجہ پوچھی۔ لڑکے نے بتایا کہ وہ ابھی تک اپنے دوست کے نہ آنے سے اُداس ہے۔ اس کی امّی نے کہا: "جب کوئی بچّہ اپنے اسکول کا کام نہیں کرے گا تو وہ اپنی جماعت میں پیچھے رہ جائے گا۔ جب تمھارا دوست آئے گا تو تم اسے بھی اسکول کا کام نہیں بتا سکو گے۔ لہٰذا دھیان سے کام کرو تاکہ تم خود بھی جماعت کے ساتھ رہو اور جب تمھارا دوست واپس آجائے تو اسے بھی صحیح صحیح کام بتا سکو۔"

ہمیں چاہیے کہ ہم ہمیشہ اسکول کا کام وقت پر کر لیا کریں تاکہ جماعت میں کام نہ کرنے کی وجہ سے شرمندگی نہ ہو۔

سبکتگین

عظمیٰ خورشید، کوئٹہ

سلطان سبکتگین بڑا منصف مزاج اور رعایا پرور انسان تھا۔ اس کی بہادری کے قصّوں سے زیادہ اس کا عدل وانصاف مشہور ہے۔ وہ باوجود انتہائی رحم دلی کے نظم وضبط کے معاملے میں کسی رعایت کا روادار نہ تھا۔

غزنی کے محاصرے کے دوران جب سلطان کی فوجوں نے غزنی کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا، غزنی کے باشندے محاصرے کی شدّت سے تنگ آچکے تھے۔ نوبت فاقوں تک پہنچ گئی تھی۔ لوگ جان پر کھیل کر آس پاس کے دیہات میں

کھانے کا سامان حاصل کرنے کے لیے جاتے تھے۔
سلطان کی فوجیں سلطان کی ہدایت پر ان مجبور فاقہ زدہ لوگوں کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتیں ورنہ اگر سلطان چاہتا تو محاصرے کو مزید تنگ کر کے اہلِ غزنی کو غزنی کا پھاٹک کھولنے پر مجبور کر دیتا۔ مگر سلطان کی رحم دلی نے غزنی کے حکم راں کو غزنی کے پھاٹک کھولنے کے لیے مجبور کر کے وہاں کے لوگوں کو سزا دینا مناسب نہ سمجھا۔

ایک مرتبہ سلطان کے کسی ملازم نے غزنی کے کسی باشندے سے کچھ انڈے اور ایک مرغ بہ طور رشوت لے لیا۔ کسی طرح یہ اطلاع سلطان تک پہنچ گئی۔ سبکتگین نے اپنے ملازم کو اُسی وقت بُلا بھیجا اور اس سے جواب طلب کیا۔ سلطان کے سامنے جھوٹ بولنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ اس نے ساری بات سچ سچ بیان کر دی۔

سلطان نے غضب ناک ہو کر کہا، "جب تم اپنی ملازمت کے معاوضے میں ماہانہ تنخواہ پا رہے ہو تو تمھیں اس بد دیانتی کی جرات کیسے ہوئی؟"

اور سلطان نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس مجرم کو اسی جگہ لے جا کر قتل کریں اور لاش کے دو ٹکڑے کر کے لٹکا دیں تاکہ دوسرے عبرت حاصل کریں۔

حکم کی دیر تھی سپاہیوں نے مجرم کے دو ٹکڑے کر کے اس کو غزنی جانے والے راستے پر لٹکا دیا۔ غزنی کے باشندوں نے جب سلطان سبکتگین کے انصاف کا یہ عالم دیکھا تو انھوں نے شہر کا پھاٹک کھول دیا اور کہنے لگے، "ہم ایسے عادل بادشاہ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔"

سلطان سبکتگین کے انصاف نے غزنی کے باشندوں کے دل جیت لیے۔ جس شہر کو فتح کرنے میں نہ جانے کتنا کشت و خون ہوتا اُسے سلطان نے اپنے عدل کی وجہ سے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر فتح کر لیا۔

ہم نے چٹنی بنائی

عزیز عبدالستار، کراچی

ہمارے امتحانات چوں کہ ختم ہو چکے تھے اور ہم گھر میں فارغ بیٹھے تھے اس لیے ہمارے دماغ میں خیال آیا کہ باجی سے کسی اچھی سی ڈِش کی فرمائش کی جائے۔ لہٰذا ہم نے اپنی چھوٹی بہن کو ساتھ لیا اور باجی کی خدمت میں اپنی فرمائش پیش کی۔ لیکن یہ کیا؟ باجی تو یہ سُن کر غصّے سے آگ بگولا ہو گئیں کہ میں امتحان کی تیاری میں مصروف ہوں اور نواب صاحب چلے آرہے ہیں کھانے کی فرمائش کرنے۔ بس کیا بتائیں باجی نے جس بُری طرح سے ہمیں ڈانٹ کے بھگایا اُسے ہم الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔ ہمیں بھی باجی پر بہت غصّہ آرہا تھا۔ پتا نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہیں۔ کیا ہمیں کھانا پکانا نہیں آتا۔ ہم بھی آج کچھ نہ کچھ بنا کر چھوڑیں گے اور پھر ہمارے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا گھر والے کھائیں گے تو باجی بھی دیکھتی رہ جائیں گی۔ پھر کیا ہم نے چُپکے سے باجی کی الماری سے کھانا پکانے والی کتاب نکالی اور فہرست دیکھنے لگے کہ کون سی چیز بنائی جائے۔ لیکن طریقہ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ ہمیں تو ان میں لکھی ہوئی بہت سی اصطلاحات ہی معلوم نہیں۔

لہٰذا ہم نے فیصلہ کیا کہ ایسی چیز بنائیں جو ہم سے آسانی سے بن جائے اور گھر والے بھی ہماری بنی ہوئی چیز کی تعریف کریں۔ چناں چہ ہم نے ٹماٹر کی چٹنی بنانے کا فیصلہ کیا۔ ہم نے فوراً فریج سے ٹماٹر نکالے اور اپنی چھوٹی بہن کے حوالے کیے۔ ٹماٹر کو دھو کر ٹماٹر سمیت دوسری اشیا کو جوسر میں ڈال دیا۔ چٹنی تیار تھی۔ ہم نے اسے ڈھک کر فریج کے ایک کونے میں اس ڈر سے چھپا دیا کہ باجی کی اگر نظر پڑ گئی تو وہ ہمیں گھر والوں کی نظروں سے گرانے کے لیے اس میں کچھ گڑبڑ کر دیں گی۔ بس اب ہمیں رات کے کھانے کا انتظار تھا، جس میں ہمیں اپنا یہ شاہکار پیش کرنا تھا۔ اللہ اللہ کر کے وہ وقت بھی آگیا۔ ہم نے اپنی بنائی ہوئی چٹنی کو بڑے فخر سے پیش کیا۔ سب سے پہلے ابو نے اسے چکھا اور امی کے آگے کر دیا۔ ہم ابو کے اس عمل سے فوراً سمجھ گئے کہ ہم سے کوئی بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ ہم وہاں سے کھسکنا ہی چاہ رہے تھے کہ امی نے ہمیں پکڑ لیا اور خصوصی پینل نے جس میں امی اور باجی شامل تھیں تحقیقات کی۔ تفتیش پر معلوم ہوا کہ ہم نے لہسن کے دو جوؤں کی جگہ دو گانٹھیں ڈال دی تھیں۔ اسی وجہ سے ہماری ٹماٹر کی چٹنی لہسن کی بدمزہ چٹنی میں تبدیل ہو گئی۔ پھر ہماری جو کھنچائی ہوئی تو ہم نے آج تک باورچی جانے کا رُخ نہیں کیا۔

قصہ ایک دہریے کا

عارف اقبال، کراچی

ایک شخص اللہ کا منکر تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اللہ کہیں نہیں ہے۔ یہ زمین آسمان، چاند ستارے، یہ نباتات جمادات خود ہی پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کا بنانے والا کوئی نہیں ہے۔ اللہ کی قدرت دیکھیے کہ ایک دن وہ کہیں جا رہا تھا۔ پہلے زمانے میں یا تو پیدل سفر ہوتا تھا یا کسی جانور کی پیٹھ پر۔ چوں کہ وہ پیدل سفر کر رہا تھا اس لیے بُری طرح تھک چکا تھا۔ اُسے سامنے آم کا ایک درخت نظر آیا۔ وہ تھوڑی دیر سُستانے کے لیے اس کے نیچے بیٹھ گیا۔

اس درخت کے ساتھ ہی ایک پیٹھے کی بیل تھی۔ وہ کبھی آم کے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو دیکھتا اور کبھی بیل کے ساتھ لگے ہوئے بڑے بڑے پیٹھوں کو دیکھتا۔ آخر اس سے رہا نہ گیا فوراً بولا،

"اللہ عجیب ہے۔ آم کا اتنا بڑا درخت ہے اور اس پر اتنے چھوٹے چھوٹے پھل لگا دیے اور یہ چھوٹی سی بیل ہے اس پر اتنا بڑا اور بھاری پھل لگا دیا۔"

ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ایک توتا آم کے درخت پر آبیٹھا۔ اُس نے ایک آم پر چونچ ماری تو وہ ٹوٹ گیا اور نیچے بیٹھے ہوئے دہریے کے سر پر جا لگا۔ اس نے فوراً ہاتھ جوڑ کر کہا،

"میں مان گیا۔ واقعی اللہ ہے اپنی حکمتوں کو وہی جانے۔ اگر آم کی جگہ اوپر پیٹھا لگا ہوتا تو میرا بھُرکس نکل جاتا۔ یہ تو اچھا تھا کہ آم چھوٹا سا پھل ہے۔"

ہمیں ہمیشہ یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی چیز بغیر حکمت کے پیدا نہیں کی۔

○○○

اندھیرے میں شمع

عفت قریشی، میانوالی

"دیکھو شیرو"، انسپکٹر نے شیرو کو سمجھاتے ہوئے کہا، "تم جوان ہو محنت کر سکتے ہو۔ یہ دھندا تمھیں زیب نہیں دیتا۔ اب اسے چھوڑ دو۔ کیا تم ایمان داری سے کما کر نہیں کھا سکتے؟ مانا کہ اس میں بہت محنت کرنی پڑتی ہے مگر اصل مزہ تو محنت کی روٹی کھانے میں ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم اچھے شہری کی حیثیت سے اپنی نئی زندگی شروع کرو گے۔"

شیرو نے سر ہلا کر اس کی تائید کی اور صاحب کو سلام کر کے واپس چل پڑا۔ اس کا رُخ ایک بار پھر اپنے خاص اڈّے کی طرف تھا۔ سب اپنے دھندوں پر گئے ہوئے تھے صرف رانا بیٹھا اپنے زخم سینک رہا تھا۔ شیرو بولا، "ہماری خدمت کرو گے تب ہی کام یاب ہو سکتے ہو۔ ورنہ پبلک کو پیار آگیا تو سیدھے ہسپتال میں نظر آؤ گے۔ ایسے وقت میں نہ پولیس والے کام آتے ہیں اور نہ بہادری۔ صرف استادوں کی دُعا ہی کام آتی ہے۔"

رانا نے اسے نشے آور سگرٹ دی اور وہ چرس کے تلخ نشے میں ڈوب گیا۔ اچانک اُسے اپنے بیوی اور بچّوں کا خیال آیا۔ وہ لپک کر باہر نکلا اور ایک طرف چل پڑا۔ مگر ابھی کچھ قدم ہی چلا تھا کہ اُسے شکار نظر آگیا۔ یہ شکار جو بینک سے نکلا تھا۔ اس کی جیبیں پُھولی ہوئی تھیں۔ وہ شکار کے قریب گیا اور اس سے ٹکرا گیا۔ انگلیاں چابک دستی سے اپنا کام کر گئیں اور نوٹ ایک جیب سے دوسری جیب میں منتقل ہو گئے۔ اس سے بڑے مہذّب انداز میں معافی مانگ کر وہ آگے بڑھا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ اس نے اپنی جھونپڑی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ رات ہو چکی تھی۔ شکستہ دیوار سے دیے کی روشنی لرز لرز کر باہر آرہی تھی۔ بچے سو رہے تھے اور بیوی غائب تھی۔ اس نے زور سے آواز دی تو وہ باہر سے دوڑتی ہوئی آئی۔ "کیوں، کہاں گئی تھی؟"

اس نے پوچھا تو وہ بولی، "حاجی صاحب کا بچّہ بیمار ہے۔ ساری عورتیں وہاں ہیں۔ اس کے پاس پیسے نہیں ہیں۔"

"ارے پیسے نہیں تو یہ لو، یہ دے آؤ۔" اس نے ایک سو کا نوٹ دیا۔ تھوڑی دیر بعد بیوی آگئی۔ "کیوں، پیسے دے آئی ہو؟" شیرو نے پوچھا۔ "راجے کے ابّا وہ پیسے نہیں لیتی کہتی ہے کہ یہ حلال کی کمائی نہیں ہے۔" شیرو کو اپنا دماغ سُن ہوتا محسوس ہوا۔ ایک ضرورت مند ایسا جواب دے سکتا ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُس نے ہمیشہ اپنی ضرورت اور آرام کو سامنے رکھا تھا۔ مگر آج پتا چلا کہ مادّی ضرورتوں کے آگے بھی ایسی چیز ہے جہاں اس کے دماغ کی رسائی نہیں ہے۔ حاجی کی بیوی کے جملے اُسے ہتھوڑوں کی طرح لگے۔

"اب کسی اور کو ایسی بات کہنے کی نوبت نہیں آئے گی۔" اس کے لہجے میں پہاڑ کی سی سختی تھی۔

صبح کے ملگجے اندھیرے نے رات کی تاریکی کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔

اور صبح جب وہ گھر سے نکلا تو جمال دین کی اس ٹولی میں شامل تھا جو مزدوری کرتے ڈاک یارڈ جا رہی تھی۔

چار گنجے

ناصر رسول اور شازیہ رسول، واہ کینٹ

ایک آدمی اپنی گزر بسر کھجور کے پتّوں کی ٹوکریاں بنا کر اور انھیں بیچ کر کیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ ٹوکریاں بنانے کے لیے پتّے توڑنے کھجور کے درخت پر چڑھا۔

وہ درخت پر چڑھ کر پتّے بھی توڑ رہا تھا اور گانا بھی گا رہا تھا۔ اس دوران اس نے سوچا کہ میرے پاس اس طرح کا کام کرنے کے لیے ایک نوکر ہونا چاہیے۔ میں جب یہ ٹوکری بنا لوں گا تو پھر اسے زیادہ قیمت میں بیچوں گا پھر میں اور بھی بہت سی ٹوکریاں بنا لوں گا اور بیچ دوں گا۔ یہاں تک کہ میں اتنی رقم بچا لوں گا کہ ایک نوکر رکھ سکوں اور پھر اس کی تنخواہ بھی ادا کر سکوں۔

نوکر رکھنے کے خیال سے وہ بہت خوش ہوا اور پھر اپنے آپ سے بولا: "اور اگر اس نے محنت سے کام نہ کیا تو میں اُسے لات مار کر باہر پھینک دوں گا۔" یہ کہتے وقت وہ یہ بھول گیا کہ میں کہاں بیٹھا ہوں۔ اس نے غصّے سے اپنی ایک ٹانگ اُٹھائی اور اتنے زور سے جھٹکی کہ درخت پر اپنے آپ کو نہ سنبھال سکا اور گر پڑا۔

یہ تو اس کی قسمت اچھی تھی کہ گرتے گرتے اس نے کھجور کے پتّے پکڑ کر اپنی جان بچالی۔ اب وہ ان پتّوں کو پکڑے ہوئے چیخ رہا تھا "بچاؤ، بچاؤ......" اس وقت ایک مہاوت ہاتھی پر سوار وہاں سے گزر رہا تھا۔ اُس نے جو بچاؤ بچاؤ کا شور سُنا تو یہ منظر دیکھا۔

ٹوکری بنانے والا پھر چیخا "مجھے نیچے اُتارو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بدلے میں، میں ساری عمر تمھاری خدمت کروں گا۔"

مہاوت نے فوراً اپنے ہاتھی کا رُخ درخت کی طرف موڑ دیا۔ درخت کے پاس آکر مہاوت ہاتھی کی کمر پر کھڑا ہوا اور ٹوکری بنانے والے کے پیر پکڑ لیے۔

اس وقت ہاتھی نے محسوس کیا کہ مہاوت نے میری کمر کو پیروں سے سختی سے دبایا ہے۔ ہاتھی نے اُسے آگے چلنے کا اشارہ سمجھا اور وہ چل پڑا۔ اب مہاوت بھی ٹوکری بنانے والے کے پیر پکڑے درخت کے ساتھ لٹکا رہ گیا۔

اب دونوں آدمیوں نے مل کر چیخنا چلّانا شروع کیا۔ اُس وقت چار گنجے آدمی وہاں سے گزر رہے تھے۔ انھوں نے جب بچاؤ بچاؤ کا شور سُنا تو وہ حیران ہو کر وہیں رُک گئے۔

مہاوت اور ٹوکری بنانے والا دونوں چلّائے، "ہمیں بچالو۔ ہمیں بچالو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ساری عمر تمھاری خدمت کریں گے۔"

چاروں گنجوں کو یہ سُن کر بہت خوشی ہوئی کہ اتنی آسانی سے ہمیں دو ٹوکریں مل جائیں گے۔ "ٹھہرو"، یہ کہہ کر وہ گنجے بھاگے بھاگے جال لے کر آئے۔ پھر انھوں نے جال کے چاروں کونے مضبوطی سے اپنی اپنی گردن سے باندھ لیے اور جال پکڑ کر درخت کے نیچے کھڑے ہو کر بولے: "اب تم چھلانگ لگاؤ! ہم تمھیں پکڑ لیں گے۔"

ٹوکری بنانے والے نے کھجور کے پتوں کو چھوڑ دیا۔ حمادت اور وہ دونوں جال کے بیچوں بیچ آ کر گرے۔

ان کے گرنے سے جال پر اتنا زور پڑا کہ چاروں گنجے جال کے درمیان میں کھنچے چلے آئے۔ ان کے سر آپس میں ٹکرا گئے اور اتنے زور سے ٹکرائے کہ چاروں گنجے بے ہوش ہو گئے۔

لیکن ٹوکری بنانے والا اور حمادت دونوں محفوظ رہے اور مزے مزے کی باتیں کرتے ہوئے وہاں سے چل دیے۔

مادام کیوری

نازیہ منظور، کراچی

مادام کیوری پولینڈ کی خاتون سائنس داں تھیں۔ وہ ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد پولینڈ کے دارالحکومت وارسا میں سائنس کے پروفیسر تھے۔ کیوری جب بڑی ہوئیں تو اعلا تعلیم حاصل کرنے کے لیے پیرس چلی گئیں۔ پیرس یونی ورسٹی میں ایک پروفیسر نے انھیں تجربے گاہ کی دیکھ بھال پر مقرر کیا۔ کیوری کو تحقیقات اور سائنسی تجربات کرنے کا شوق تو شروع ہی سے تھا۔ جب کیوری کے والد اپنے شاگردوں کو پڑھاتے یا تجربہ گاہ میں تجربے کرتے تو کیوری بھی توجہ سے اپنے والد کی باتیں سنتیں اور تجربوں کو غور سے دیکھتی تھیں۔

وہ بہت محنت سے پڑھتی رہیں۔ یہاں تک کہ ۱۸۹۳ء میں انھوں نے طبیعات کی اعلا ڈگری حاصل کی۔ اگلے سال ریاضی میں ایم۔ اے کیا۔ اسی دوران انھوں نے ایک سائنسی نوجوان کے ساتھ مل کر تحقیقی تجربے شروع کر دیے۔

مادام کیوری کو جب معلوم ہوا کہ یورینیم جو ایک بہت مہنگی دھات ہے اور اس میں بہت سی عجیب و غریب خاصیتیں پوشیدہ ہیں تو انھوں نے پوری توجہ سے یہ خاصیتیں معلوم کرنے کے لیے تحقیق شروع کر دی۔ آخر کئی سال کی مسلسل کوششوں کے بعد انھیں ...۱ کلوگرام خالص یورینیم سے مٹھی بھر ایک چیز حاصل ہوئی جو اصل ریڈیم تھا۔ مادام کیوری کو اس حیرت انگیز ایجاد پر نوبل انعام ملا۔

مادام کیوری بہت سادہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ بہت بڑی ایجاد کے بعد بھی انھوں نے کبھی مال دار رہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مادام کیوری کا انتقال ۱۹۳۴ء میں ہوا۔

بندر، کچھوا اور کیلے کا درخت

جاوید اقبال سہنہ، رانی پور

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک کچھوا دریا کے کنارے دھوپ میں بیٹھا تھا۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ ایک کیلے کا

درخت دریا میں تیرتا ہوا آ رہا ہے۔ اس نے یہ دیکھ کر دریا میں چھلانگ لگائی اور درخت کو کھینچتے کھینچتے کنارے پر لے آیا۔ کچھوا اس درخت کو باغ میں بونا چاہتا تھا لیکن کنارے سے باغ تک لے جانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

آخر اس نے ایک بندر کو بُلایا اور اس سے کہا، "بھائی! اس کیلے کے درخت کو باغ تک اُٹھا کر لے جانے میں میری مدد کرو۔"

بندر نے کہا، "ایک شرط ہے۔ مجھے اس درخت کا آدھا دو گے تو میں تمھاری مدد کروں گا۔"

کچھوے نے شرط مان لی اور پھر بندر اور کچھوا اس درخت کو باغ میں لے گئے۔

کچھوے نے کہا، "جب یہ درخت بڑا ہو کر پھل دے گا تو میں تمھیں اس کا آدھا دوں گا۔" مگر بندر کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ اس نے کہا، "مجھے درخت کا آدھا اسی وقت دو۔" کچھوے نے مجبور ہو کر درخت کے دو حصّے کیے اور اسے اوپر والا سبز حصہ دے دیا۔ کچھوے نے اس کا نچلا حصہ خود بو دیا۔

بہت دِنوں کے بعد اس میں سے سبز پتّے نکلنے لگے اور پھر پھل لگ گئے۔ کچھوے نے پھر بندر سے کہا کہ میں یہ پھل اُتار نہیں سکتا۔ تم یہ پھل اُتارو اور آدھے تم لے لینا اور آدھے مجھے دے دینا۔ بندر نے اس کی بات مان لی اور جلدی جلدی کیلے کے درخت پر چڑھ گیا۔ مگر بندر کیلے اُتارنے کے بجائے خود کھانے لگا۔ اس نے کچھوے کو ایک بھی کیلا نہ دیا۔

یہ دیکھ کر کچھوے نے کہا کہ تم اکیلے بیٹھ کر کیلے کھا رہے ہو۔ یہ بات غلط ہے۔ بندر نے کچھوے کی طرف دھیان بھی نہ دیا۔ وہ مزے مزے سے کیلے کھاتا رہا اور چھلکے نیچے پھینکتا رہا۔ یہ دیکھ کر کچھوے کو بہت غصّہ آیا۔ وہ بے چارہ کچھ کر بھی نہ سکتا تھا۔

آخر اس کی سمجھ میں ایک بات آئی۔ وہ جلدی جلدی باغ کے ایک طرف گیا اور پھر اس نے نوک دار کانٹوں والی ٹہنیاں درخت کے نیچے رکھ دیں جس پر بندر کیلے کھا رہا تھا۔ جب بندر نے سب کیلے کھا لیے تو خوشی سے اوپر سے چھلانگ لگا دی۔ نیچے نوک دار کانٹوں والی ٹہنیاں پڑی تھیں جو بندر کے پیروں اور ہاتھوں میں لگیں۔ بندر چلّانے لگا۔ تکلیف سے اس کا بُرا حال تھا۔ کچھوا آرام سے بیٹھا تماشا دیکھ رہا تھا۔ بندر کو اس کی چالاکی پر بہت غصہ آیا۔ اس نے بھاگ کر کچھوے کو گردن سے پکڑ کر اپنی کمر پر بٹھایا اور کہنے لگا، "اب بتاؤ تمھیں کون سی سزا دوں۔ تمھیں مار دوں یا دریا میں پھینک دوں؟"

کچھوے نے معصومیت سے کہا کہ مجھے مار دو۔ یا جلا دو، مگر دریا میں نہ پھینکنا۔ بندر نے کہا کہ میں تو تمھیں دریا میں ہی پھینکوں گا۔

کچھوے نے کہا، "بھائی! اللہ کے واسطے دریا میں نہ پھینکنا۔"

مگر بندر نے اسے دریا میں پھینک دیا۔ کچھوا غوطہ کھا کر اندر چلا گیا۔ بندر بہت خوش ہوا کہ کچھوے کو شرارت کی سزا مل گئی مگر تھوڑی سی دیر کے بعد کچھوے نے اپنا

سر نکال کر بندر سے کہا، "بھائی! تمھارا شکریہ۔ تمھیں یہ معلوم ہی نہ تھا کہ دریا میں تو میں رہتا ہوں۔" یہ کہہ کر کچھوا ہنستا ہوا دُور چلا گیا۔

ذرا سی غلطی

شبنم، کراچی

کاشف اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کے والدین اُسے بہت پیار کرتے تھے اور اس کی ہر خواہش کو پورا کرتے تھے۔ جب کاشف پانچ سال کا ہو گیا تو اسے اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ کاشف بہت ذہین تھا۔ وہ پڑھائی میں بہت اچھا چلنے لگا۔ اُسے اس کی سب ٹیچریں بھی بہت پیار کرتیں اور دوسرے بچّوں کے سامنے اُس کی تعریف کرتیں۔

ایک دن پتا نہیں اُس کے دل میں کیا سمائی کہ اس نے بلیک بورڈ پر اپنی کلاس ٹیچر کی تصویر بنا دی۔ اتفاق سے اسی وقت مس کلاس میں آگئیں اور کاشف کو ڈانٹنے لگیں۔ انھوں نے اسے سزا کے طور پر ایک خالی کلاس میں بند کر دیا۔ اور باہر سے کُنڈی لگا دی۔ اُدھر سے چوکی دار کا گزر ہوا تو اُس نے دیکھا کہ دروازے میں تالا نہیں لگا۔ چوکی دار نے باہر سے تالا لگا دیا اور چلا گیا۔ وہ اسکول کا آخری دن تھا اور اسکول کی جلد چھٹی ہونی تھی۔ کاشف کو بھی اپنے ابّو اور امّی کے ساتھ کہیں جانا تھا۔ پھر جلد ہی چھٹی ہو گئی۔ کاشف کا کسی کو خیال ہی نہیں رہا۔ سب بچّوں کے جانے کے بعد چوکی دار نے بڑے گیٹ کو بھی تالا لگا دیا۔ ادھر اس کی امّی اس کا انتظار کرتی رہیں۔ پھر جب شام ہو گئی تو انھوں نے کاشف کے ابّو کو فون کیا اور بتایا کہ کاشف ابھی تک نہیں آیا ہے۔ اُس کے ابّو سب کام چھوڑ کر بھاگے۔ اسکول جا کر دیکھا تو تالا لگا ہوا تھا۔ انھوں نے سب جگہ کاشف کو ڈھونڈا مگر وہ نہ ملا۔ اس کی امّی کا رو رو کر بُرا حال تھا۔ دو دن گزرنے کے بعد اُس کی امی کو خیال آیا کہ کاشف کی ٹیچر سے پوچھا جائے۔ وہ یہ خیال آتے ہی ٹیچر کے گھر کی طرف بھاگیں اور اُن سے پوچھا۔ پھر جیسے ہی ٹیچر کو وہ واقعہ یاد آیا وہ اسکول کی طرف بھاگیں۔ چوکی دار سے گیٹ کھلوایا اور سیدھی اُس کمرے میں پہنچیں۔ کاشف بے سُدھ پڑا تھا اور دیوار پر یہ جملے لکھے تھے:

"امّی مجھے پیاس لگ رہی ہے! امّی مجھے بھوک لگ رہی ہے! امّی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

یہ منظر دیکھ کر اس کی امّی کا تو بُرا حال ہو گیا۔ اُدھر مس کا بھی بُرا حال تھا۔ مس نے اس کے ابّو سے معافی مانگی اور انھوں نے مس کو معاف کر دیا، کیوں کہ نہ کاشف شرارت کرتا اور نہ اسے یہ لمبی سزا بھگتنی پڑتی۔

نیا کوٹ

نجم الصباح، لاہور

خالد آج بہت خوش تھا۔ اس کی مسکراہٹ چھپائے نہ چھپتی تھی۔ نئے کوٹ کا تصوّر اس کے دل و دماغ میں تھا۔ وہ یوں محسوس کر رہا تھا گویا اس نے نیا کوٹ پہن رکھا ہے۔

وہ بڑے فخر سے گردن اُٹھائے چل رہا تھا۔

پورے تیس دن کی محنت اور مشقت کے بعد اُسے پچاس رُپے مزدوری کے ملے تھے۔ اس نے سوچا وہ ان پیسوں سے ایک نیا کوٹ خریدے گا اور پھر نئے کوٹ کو پہن کر بڑی آزادی سے گھومے گا۔ دوستوں میں بڑے فخر سے بیٹھے گا۔ کوئی بھی اُسے حقیر نہیں جانے گا۔ اُس کا پُرانا کوٹ تو وبالِ جان بن گیا تھا۔ جدھر بھی جاتا لوگ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے۔ بچّے آوازیں کستے اور دوست ناک بھوں چڑھاتے۔ مگر..... نئے کوٹ کے آنے کی وجہ سے یہ سب کچھ بدل جائے گا۔ یہی کچھ سوچتا ہوا وہ نہ جانے کب سو گیا۔

اگلے دن سیدھا بس اسٹاپ پر پہنچا۔ اب بھی اس نے وہی میلا کچیلا اور پھٹا ہوا کوٹ پہنا تھا مگر وہ یوں پھر رہا تھا جیسے بہت قیمتی کوٹ پہن رکھا ہو۔ اس کو پورا یقین تھا کہ اگلے چند لمحوں میں اس کے پاس نیا کوٹ ہوگا۔ آدھے گھنٹے بعد اُسے بازار جانے والی بس مل گئی۔ بس میں تِل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ بہت زیادہ رش ہونے کی وجہ سے وہ بار بار اپنی پھٹی ہوئی جیب کو دیکھتا جس میں اس نے رُپے بڑی حفاظت سے رومال میں باندھ کر رکھے تھے۔ انھیں اُدھر پاکر اطمینان کا سانس لیتا۔ آخر وہ بس سے اُترا اور استعمال شدہ کپڑوں کی دُکان کی طرف گیا۔ مختلف کوٹ دیکھ کر آخر ایک کوٹ اس نے اپنے لیے منتخب کیا اور جب پیسے دینے کے لیے کوٹ میں ہاتھ ڈالا تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اُسے کچھ دکھائی نہ دیا۔

اس کی جیب خالی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے دُکان دار کو دیکھ کر کہا، "میرے پیسے چوری ہو گئے۔"

اور دُکان دار آگ بگولا ہو گیا۔ "خواہ مخواہ میرا وقت ضائع کیا۔ کوٹ الگ خراب کیا۔ ویسے وہ تو میں نے تیرے کپڑوں اور صورت سے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ تیرے بس کی بات نہیں۔ چل باہر نکل جا۔" اور اُس نے دھکّے دے کر اُسے باہر نکال دیا۔ دکان دار کی بات سے وہ بہت اُداس ہوا۔ بوجھل قدموں سے جب وہ گھر کی طرف پیدل روانہ ہوا تو دُور سے کسی نے چھیڑا:

"یہ وہی کوٹ ہے نا جو برسوں میں نے نالی میں پھینکا تھا۔"

اس نے آنسو بھری نگاہوں سے دیکھا اور کہا،

"ہاں۔"

تعلیم ذریعہ شعور و آگہی

کنول اقبال، کراچی

"ابّو! آخر آپ کیوں نہیں چاہتے کہ میں مزید تعلیم حاصل کروں؟" فریال یہ سوال اپنے ابّو سے پوچھ رہی تھی جو اس کے آگے پڑھنے پر راضی نہیں ہو رہے تھے۔

اس سوال کے جواب میں خان دلاور نے کہا، "تمھیں کیا ضرورت ہے؟ کس چیز کی کمی ہے تمھارے پاس؟"

"مگر ابّو! علم تو سمندر ہے۔ میں نے تو ابھی اس سمندر سے ایک قطرہ بھی نہیں پیا۔ کیا آپ گوارا کریں گے کہ

بعد میں آپ کی بیٹی اس بات پر شرمندہ ہو کہ اس کے پاس دولتِ علم نہیں۔ ابّو! میں آپ سے کچھ نہیں کہوں گی، کیوں کہ آپ کی فرماں برداری کا سبق بھی مجھے اس علم نے دیا ہے اور میں اس پر عمل کروں گی مگر صرف اتنا کہوں گی کہ ایک بار اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر لیجیے گا۔"

فریال کی باتوں کا دلاور صاحب پر خاطر خواہ اثر ہوا اور انھوں نے بالآخر اسے مزید تعلیم کی اجازت دے دی۔ فریال ایک ذہین طالبہ تھی لہٰذا اس کی محنت سے اسے اس میدان میں غیر معمولی کام یابی ہوئی مگر اس کے ابّو اجازت دینے کے بعد بالکل لاپروا ہو گئے۔ انھوں نے کبھی اس سے یہ نہیں پوچھا کہ اس کی تعلیم کیسی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ جب رزلٹ آؤٹ ہوا تو انھوں نے اسے بھی نہیں۔ اس دن فریال بہت روئی۔ آنسوؤں کے سیلاب میں اسے لگا کہ اس کا وجود بہ جائے گا اور پھر اچانک ہی اس میں کچھ کر دکھانے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ اس نے اللہ سے دعا کی اے اللہ! میرے ابّو کے دل میں میرے لیے جگہ پیدا کر اور ان کے دل میں تعلیم کی اہمیت کا احساس جگا۔ یہ سوچتے سوچتے وہ سو گئی۔ جب وہ سو کر اٹھی تو دیکھا کہ انکل جمشید کی امّی آئی ہوئی ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ انکل کو جھوٹے قتل کے مقدمے میں پھنسا لیا گیا ہے اور کل ان کے مقدمے کی آخری تاریخ ہے۔ وہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی گناہ گار قرار دیے جا رہے ہیں۔ اگلے دن فریال اپنے ابّو کے ساتھ عدالت گئی مگر اس سے پہلے اس نے وکیل سے مل کر ان سے سارے حالات پوچھے۔ واقعہ کچھ یوں تھا کہ انکل اپنے کسی دوست کے گھر گئے ہوئے تھے۔ اس دوست کی کسی سے دشمنی تھی۔ اس دن انکل اور ان کے دوست ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک کھڑکی کے پاس ایک سایہ لہرایا۔ انکل نے اس کو دیکھ کر کوئی خاص توجہ نہ کی اور باتوں میں مشغول رہے۔ پھر اچانک باتیں کرتے ہوئے پیچھے سے کسی نے انکل کے سر پر ریوالور کا دستہ رسید کیا اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ بے ہوش ہوتے ہوئے انھوں نے بس اتنا دیکھا کہ کسی نے ان کے دوست کو گولی مار دی۔ پھر ان کا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

جب ہوش آیا تو وہ آلۂ قتل ان کے ہاتھ میں تھا اور وہ ابھی حیران نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ پولیس آن پہنچی اور ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس دن ان کے دوست کے گھر میں کوئی نہیں تھا۔ سب دعوت میں گئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے قتل کے کافی دیر بعد پڑوس کا ایک لڑکا کوئی چیز لینے آیا تو اس نے یہ منظر دیکھ کر پولیس کو فون کر دیا۔ مگر ان سب واقعات پر پولیس یقین نہیں کر رہی تھی۔ فریال انکل کی امّی کے ساتھ ان کے دوست کے گھر گئی اور اس کمرے کا معائنہ کیا۔

اس نے کھڑکی کے باہر کی جانب جا کر دیکھا تو اسے دیوار پر ایسے نشان نظر آئے جیسے دیوار پر کسی کے جوتوں سے رگڑ کے نشان پڑ گئے ہیں۔ اس نے نیچے دیکھا تو اسے گھاس کچلی ہوئی دکھائی دی جیسے اس پر کوئی کودا ہو۔ اس نے ان تمام باتوں کو نوٹ کیا اور پھر اگلے دن عدالت گئی۔ مقدمے کی سماعت شروع ہوئی سرکاری وکیل نے بڑھ

چڑھ کر انکل پر الزام لگایا۔ وہ ان کو قاتل ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ ابھی وہ بول رہے تھے کہ فریال اُٹھی اور کچھ کہنے کی اجازت مانگی جو فوراً ہی مل گئی۔ اس نے بولنا شروع کیا اور قتل کے تمام واقعات کو دہرایا جو پولیس کے مطابق تھے پھر اس نے کہا کہ اب اصل حالات سُنیے۔

انکل اور ان کا دوست جب باتیں کر رہے تھے اس وقت گھر میں دو شخص داخل ہوئے۔ ایک کھڑکی جانب گیا اور دوسرا ڈرائنگ روم کی طرف۔ کھڑکی والے شخص کو انکل نے دیکھا مگر غور نہیں کیا۔ اس نے انکل کے دوست پر گولی چلائی۔ اِدھر دوسرے شخص نے انکل کے سر پر دستہ مارا اور پھر دونوں نے ریوالور پر سے انگلیوں کے نشان مٹا کر اس کو انکل کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح کر کے وہ صاف بچ جائیں گے مگر قسمت کو کچھ اور منظور ہے۔ فریال نے کہا کہ کھڑکی کی پچھلی جانب دیوار پر جوتوں کے رگڑ کے نشان اور کچلی ہوئی گھاس اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ قتل انکل نے نہیں کیا۔ مجرموں سے دوسری بڑی غلطی یہ ہوئی کہ اُچھل کُود کے دوران ان میں سے ایک کا لاکٹ گر گیا جسے انکل کی امّی نے شناخت کر لیا ہے۔ یہ لاکٹ یہاں عدالت میں موجود ایک شخص کا ہے۔ پھر اس نے سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص کو بُلایا جو انکل کا بہت گہرا دوست اور دشمن تھا۔ اس نے لاکٹ نکال کر اس کو دکھایا اور کہا کہ یہ آپ کا لاکٹ ہے؟

یہ سُن کر وہ گھبرایا اور کہا "نہ ... نہیں ... یہ میرا نہیں ہے۔"

فریال نے کہا کہ مگر میں کہتی ہوں کہ یہ آپ کا لاکٹ ہے پھر اس نے تصدیق کے لیے ان کی بیوی کو دکھایا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے عدالت میں آئی تھیں اور اصل واقعہ سے بے خبر تھیں۔ چناں چہ انھوں نے فوراً اعتراف کر لیا۔

جج نے تمام واقعات کو سمجھتے ہوئے انکل جمشید کو باعزت رہا کر دیا اور فریال کو بہت شاباش دی اور اس کے لیے خصوصی انعام کا اعلان کیا۔ اس کے ابّو کو بُلا کر ان کو مبارک باد دی کہ ان کی بیٹی کی ذہانت کی وجہ سے ایک بے گناہ شخص کی جان بچ گئی۔ اور انکل کے دوست کے قاتل کو سزا ہو گئی جس نے محض اس لیے اپنے دوست کو قتل کر دیا تھا کہ وہ اُس مشکوک شخصیت کا راز جان گیا تھا۔

فریال جب عدالت سے باہر نکلی تو انکل نے اسے گلے لگا لیا اور شاباش دی۔ اس وقت نہ جانے کیا ہوا۔ ابّو دوڑ کر آئے اور فریال کو لپٹا لیا اور پیار کرنے لگے۔ انھوں نے کہا کہ فریال تم سچ کہتی ہو۔ تعلیم شعور و آگہی کا ذریعہ ہے۔ مجھے تم پر فخر ہے بیٹا۔

یہی وہ لمحہ تھا جس کا فریال نے صدیوں انتظار کیا تھا۔ اس کا دل مسرت سے لبریز ہو گیا اور اسے یوں محسوس ہوا کہ تپتے ہوئے صحرا میں نخلستان نظر آگیا ہے۔

● ●

HMD/HNY-1/85 ADARTS

قارئین کی عدالت

● جب تک میری آنکھوں کے سامنے ہمدرد نونہال کا اگلا شمارہ نہیں آجاتا مجھے چین ہی نہیں آتا۔ مجھے نونہال کے سوا اور کوئی رسالہ اچھا ہی نہیں لگتا۔ جیسے کسی پیارے چھوٹے سے بچے کو دیکھ کر اُسے پیار کرنے کو جی چاہتا ہے اسی طرح پہلی بار میرے ساتھ بھی ہوا تھا۔ آپ یہ نہ سمجھیے کہ میں نونہال کی تعریف ہی کرتی جارہی ہوں اور پڑھائی کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتی۔ میں پانچویں جماعت میں سینٹ جوزف ہائی اسکول لاڑکانہ میں پڑھتی ہوں۔

صنم نور، لاڑکانہ

● اکتوبر کا شمارہ پڑھا اور پڑھ کر مزہ آگیا۔ اس مرتبہ انتخاب بے حد مناسب تھا۔ بالخصوص مضمون "کثیر خلیاتی حیوانات" (ڈاکٹر منظور احمد) اور ساتھ میں لطیفے بھی معیاری تھے۔ میں نونہال کا جولائی ۸۵ء سے قاری ہوں اور گھر کے تمام افراد بھی اسے پڑھتے ہیں بالخصوص والد صاحب اسے انتہائی دل چسپی سے پڑھتے ہیں۔ ان کی رائے کے مطابق "یہ رسالہ نہ صرف بچّوں کے لیے بلکہ نوجوانوں کے لیے بھی مفید ہے۔" وسیم عرفان، فیصل آباد

● آپ کی اور آپ کے عملے کی کوششیں قابلِ تعریف ہیں۔ یہ اردو کا واحد رسالہ ہے، جو بچّوں اور بڑوں میں یکساں مقبول ہے۔

امام راشدی، نوڈیرو

● ہمارا نونہال ایک مکمل اور مفید ماہ نامہ ہے۔ اس سے بچّوں میں نیک کام کرنے اور پڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

اشفاق احمد راں، بھکّر

● اگر میں نونہال ادیب میں کہانی بھیجوں تو کس پتے پر بھیجوں؟

محمد طاہر قریشی، کراچی

> جس پتے پر یہ خط بھیجا ہے۔ صرف اتنا پتا بھی کافی ہے:-
>
> ہمدرد نونہال، کراچی

● لطائف پہلی دفعہ مزے دار تھے۔ نظمیں تمام اچھی تھیں۔ تحفے میں شامل ہر تحریر پُرلطف تھی۔ افتخار احمد افتخار، لاوہ

● نونہال سے میری پسندیدگی کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ میں ہر ماہ کے رسالے کی حفاظت کے لیے اس کی جلد بنواتا ہوں۔ میں نے نونہال کے لیے ایک علاحدہ الماری بھی بنا رکھی ہے جس میں تقریباً ساٹھ شمارے محفوظ ہیں۔

سید نفیس الحسن نقوی، جھنگ صدر

> بھئی! اب تو میرا دل چاہنے لگا کہ تمھاری خوب صورت لائبریری دیکھنے آؤں۔

● حسبِ معمول اس دفعہ بھی بہاریں لٹاتا نونہال ہمارے ہاتھوں میں آیا اور بہت اہتمام سے ایک ہی نشست میں ختم کر دیا تو معلوم ہوا ایک دنیا سے نکل کر آرہے ہیں یا ایک تقریب میں شرکت کر کے آرہے ہیں۔ جی ہاں! یہ نونہال ایک کاغذی محل ہی تو ہے جس میں ہر خاص و عام بغیر دعوت نامے کے تحریری شرکت کر سکتا ہے اور ہمیں اس تقریب میں سجی سجائی بہت پیاری سی تحریر محترمہ تارا یوسف کی "خطرناک ایجاد" بہت پسند آئی۔ جاگو جگاؤ کے کیا کہنے لاجواب تحریر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تقریب سے مہمانِ خصوصی تقریر فرما رہے ہوں اور باتوں باتوں ہی میں نصیحتیں بھی ہو جاتی ہیں۔

نظم پارہ نظمی، شہداد پور

● سرورق کچھ خاص نہ تھا۔ لیکن کہانیاں بہت پسند آئیں۔

ثناء اللہ، سلوی

● مجھے نونہال بہت پسند ہے۔ کلثوم کوثر ہما، بہاول نگر

● خطرناک ایجاد اور عقل مند غلام پسند آئیں۔

اے۔ آئی۔ ایس، ٹنڈو جان محمد

● ہمارا خط شائع کر کے آپ نے ہماری حوصلہ افزائی کی۔

شکیل خان، شبنم خان، ہما خان، میرپور خاص

● اس ماہ کا رسالہ پسند آیا۔ سرورق بھی اچھا تھا۔

محمد عمران امین کھوکھر، کھوسکی بدین

● اکتوبر کا شمارہ اچھا تھا۔ خالد حسین حسرانی، شہداد کوٹ

● میں دوسری جماعت میں پڑھتا ہوں، اس لیے ابھی ٹھیک ٹھیک نہیں لکھ سکتا۔ اس لیے یہ خط خود نہیں لکھ رہا ہوں، لیکن آئندہ آپ کو ان شاءاللہ خود لکھ کر بھیجوں گا۔ میں آپ کا نونہال جو کہ ہمارے لیے ہوتا ہے باقاعدگی سے لیتا ہوں اور پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کچھ خود نہیں پڑھ سکتا وہ سُن لیتا ہوں۔ وحید الرحمٰن، کراچی

شاباش، نونہال پڑھتے رہے تو بہت جلد خط خود لکھا کرو گے۔ شاباش۔

● تحفے میں چمک دار نگینہ (محمد اکرم عاجز بہمان) اور روزنامہ ردّی (ریحانہ حفیظ) خوب صورت تحریریں تھیں۔ محمد سلیم جان مروت، بنوں

● کیا جانور بول سکتے ہیں، کافی معلوماتی مضمون تھا۔ نونہال مصوّر کا معیار پہلے سے بہت بلند ہوا ہے۔ لطیفے اس ماہ مزے دار اور شان دار تھے۔ اخبار نونہال کی خبریں پرانی تھیں۔ نونہال ادیب کی کہانیاں اچھی تھیں۔

حسن مہدی خراسانی، کراچی

● نونہال میں نقل شدہ تحریریں بہت شائع ہو رہی ہیں۔ آپ اس کی روک تھام کریں ورنہ نونہال کا معیار ختم ہو جائے گا۔ فوزیہ فرح، کراچی

● اس دفعہ کا نونہال بہت پسند آیا۔ قرۃ العین طاہر، راول پنڈی

● سائنسی کہانی "خطرناک ایجاد" اور "عقل مند کسان" اچھی تھیں۔

شاہد شفیق، کراچی

● اکتوبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ عارف محمود، سوہدرہ

● جاگو جگاؤ اور پہلی بات کا جواب نہیں۔ نوید حمید، کراچی

● بھائی جان! اگر آپ نے میرا یہ خط بھی نہیں چھاپا تو میں نونہال سے اپنا واسطہ ختم کر دوں گی۔ سیدہ عذرا رباب، حیدرآباد

● پہلے نمبر پر تو حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ تھا۔ آپ کوئی سنسنی خیز ناول شروع کریں کوئی شک نہیں کہ یہ رسالہ اور مقبول نہ ہو جائے۔

شبانہ عندلیب، گوجرانوالہ

کیا اب مقبول نہیں ہے؟

● اکتوبر کا شمارہ پسند آیا۔ ندیم احمد، ٹنڈو الہ یار

● تازہ پرچہ بہت پسند آیا۔ عائشہ، صائمہ، شاہ پور چاکر

● تمام تحریریں اور مستقل سلسلے معیار کے آسمان پر ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول کا ایک ایک لفظ سچے موتی کی طرح چمک رہا ہے۔ رسول اکرمؐ کی عادتیں ہمارے دل و دماغ کو معطر کر گئیں۔ عقل مند غلام اچھی لگی لیکن شیکسپیئر کا ڈراما ہمارے پیارے نونہال میں کچھ سج نہیں رہا تھا۔ چاند کا بوڑھا اختتامی لحاظ سے ایک بور کہانی تھی البتہ آدھی مونچھ بہت پسند آئی۔ آخری نغمہ میں یہ بات سمجھ نہ آئی کہ آخر مصنف سمجھانا کیا چاہ رہی ہیں۔ عظمیٰ نسیم، کراچی

● آخری نغمہ جیسی کہانی نے نونہال کا معیار مزید بلند کر دیا۔

آمنہ خان قائم خانی، نواب شاہ

● نونہال کی وجہ سے ہماری معلومات میں بہت اضافہ ہو رہا ہے۔

صفیہ سردار، کراچی

● ہر ماہ کسی نہ کسی شخصیت کی زندگی کے بارے میں کوئی مضمون شائع کیا کریں اور بچوں کے لیے مختلف کھیلوں کا بھی کوئی سلسلہ شروع کریں۔

نکھار خالق، کراچی

● اگر ہم کہیں کہ نونہال تمام رسالوں کا بادشاہ ہے تو غلط نہ ہوگا۔

فہیم صادق آرائیں، منا ہڑو

● کہانیوں میں خطرناک ایجاد اور آدھی مونچھ نمبر لے گئیں۔ میں آپ کو ایک مشورہ دوں گا کہ نونہال ادیب میں نظمیں دینا بند کر دیں۔ آدھی نظمیں نقل شدہ ہوتی ہیں جن کی وجہ سے سارا مزہ ختم ہو جاتا ہے۔

محمد شفقت پاشا، کراچی

آپ کا خیال تو مجھے پسند ہے، لیکن ان بچوں کا بھی خیال ہے۔

● کہانیوں میں آدھی مونچھ بہت اچھی تھی۔ ایسی سبق آموز کہانیاں زیادہ سے زیادہ شائع ہونی چاہییں۔ خطرناک ایجاد اور آخری نغمہ بھی لاجواب کہانیاں تھیں۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات تو رسالے کی جان ہیں۔

وسیم خان

● تالا یوسف کی خطرناک ایجاد اور حامد یونس کی آدھی مونچھ پسند آئیں۔ بلقیس بوبی، کراچی

● نونہال کا ہر شمارہ اپنی مثال آپ ہوتا ہے۔

محمد قدیم بیگ مغل، ٹنڈو جام

● معلومات عامہ کے سوالات پہلے کی طرح کچھ کچھ آسان ہو رہے ہیں۔

جاوید عبدالکریم، دریا آباد کراچی

● بچوں کا نونہال اتنا پیارا اور خوب صورت رسالہ ہے کہ میں خط لکھے بنا نہ رہ سکتی تھی۔ طیبہ راحت، بیلہ

● علم کے نور سے آراستہ پیراستہ جگمگاتا شمارہ ملا۔ سرورق خوب صورت اور منفرد لگا۔ عشرت ذاکر، کراچی

● ویسے تو تقریباً تمام کہانیاں ہی دل چسپ اور سبق آموز ہیں لیکن جس کہانی نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ہے "آخری نغمہ" (ثریا فرخ) انکل! کیا یہ کہانی حقیقت پر مبنی ہے؟ جواب ضرور دیں۔

مسرت یونس، نواب شاہ

یہ سچا واقعہ نہیں ہے، کہانی ہے۔

● اس مرتبہ لطیفے بھی اچھے تھے۔ سید کلیم الحق حقی، کراچی

● کہانیوں میں آخری نغمہ نے متاثر کیا۔ عظمیٰ سہیل

● یوں تو ہمدرد نونہال کا ہر شمارہ اپنی جگہ الگ خصوصیت کا حامل ہوتا ہے لیکن اکتوبر کا پیارا پیارا شمارہ ایک حسین ترین دنیا ثابت ہوا۔ جس کا ہر گوشہ مختلف خصوصیت اور انفرادیت رکھتا ہے۔

پرنس محمد شفیق آرائیں، وکیل والا

● خیال کے پھول، ہمارے نبیؐ نے کیا کیا، رسول پاکؐ کی عادتیں اور تحفے رسالے کی جان تھے۔ خطرناک ایجاد، طب کی روشنی میں اور ہمدرد انسائکلو پیڈیا بھی کم نہ تھے۔ لطیفے حسب روایت بور تھے۔

منصور حسین، ٹنڈو محمد خان

● اکتوبر کے شمارے میں کثیر خلیائی جانور (ڈاکٹر منظور احمد) بہت معلوماتی مضمون تھا۔ آپ اسی طرح ہر شمارے میں مختلف جانوروں کے بارے میں معلومات فراہم کیا کریں۔ کہانیوں میں "خطرناک ایجاد" سب سے اچھی تھی۔ مبشر محمود، نئی کراچی

● میں نے پہلی بار نونہال پڑھا یہ واقعی قابلِ تعریف ہے۔

محمد حسن بابر جلبانی، مردان

● ہم سب نونہال بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ رحیم بخش، سلطان احمد، سرفراز حسین اور شہباز حسین، خیر پور میرس

● میں میٹرک کی طالبہ ہوں۔ ہمیشہ اچھی پوزیشن سے کامیاب ہوتی ہوں۔ اپنے اسکول میں منعقد ہونے والے پروگراموں میں بھی حصہ لیتی ہوں۔ انعام بھی حاصل کیے ہیں۔ اسی سال سے نونہال پڑھنا شروع کیا ہے۔ یہ بہت ہی عمدہ رسالہ ہے۔ مجھے اور گھر والوں کو بے حد پسند ہے۔ صائمہ عرفان

● ہر نونہال کی طرح اکتوبر کا شمارہ پیارا اور خوب صورت پھولوں کی طرح تھا۔ تہمینہ شیخ اور ثمینہ شیخ، کراچی

● تمام کہانیاں اچھی اور مزے دار تھیں۔ خاص طور پر رسول پاکؐ کی عادتیں۔ صدف عزیز، راول پنڈی

● یہ رسالہ بجا طور پر بچوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ بچوں کے لیے ہے اور بچوں کی ترجمانی کرتا ہے۔ وسیم مظہر، ٹکال

● خاص نمبر میں سرورق کی کہانی "روبی پولی کی واپسی" (شہناز پروین) بہت پسند آئی۔ پروین اختر، عارف والا

● نونہال ادیب کی کہانیاں بہت شان دار تھیں۔ حکیم محمد سعید صاحب کے جاگو جگاؤ نے دل کو روشن کیا۔ خیال کے پھول اور تحفے بہت پسند آئے۔ محمد صغیر، کراچی

● کہانیاں بے حد اچھی تھیں۔ لطیفے تقریباً سارے نئے تھے۔ پڑھ کر بے حد ہنسی آئی۔ ہمدرد انسائکلو پیڈیا نے معلومات میں اضافہ کیا۔ نامعلوم، فیصل آباد

● اگر میرا یہ خط شائع نہ ہوا تو میں آئندہ خط نہیں لکھوں گا۔

انور حسین خلجی، ٹنڈو الہ یار

اور چھپ گیا تو کیا کرو گے؟

● خیال کے پھول بے حد اچھے اور کتابت لاجواب ہے۔ نظموں میں "ہمارے نبیؐ نے ..." نمبر لے گئی۔ "نونہال بڑوں کی نظر میں" بے حد مفید سلسلہ ہے۔ اسے جاری رکھنا چاہیے۔ مگر ملک کا ہر نونہال علم حیاتیات کا ماہر نہیں ہے۔ اس لیے ڈاکٹر منظور احمد کے "حیوانات کے ارتقا" کو روک کر رنگین کہانیوں کے صفحات بڑھا دیں۔ تحفے، لطائف، اور نونہال ادیب بے حد خوب صورت انتخاب ہے۔ سائنسی کہانی "خطرناک ایجاد" اور معاشرتی کہانی "آدمی مونچھ" پڑھنے کے قابل ہیں۔

بشرہ ظفر انوار، کراچی

● اکتوبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ خاص طور پر آدمی مونچھ بہت پسند آئی۔ صدف خان، گوجرانوالہ

● اس ماہ کا نونہال تو بہت اچھا تھا۔ آدھی مونچھ بہت لاجواب تھی۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ ثناء اللہ خان، مورو، منفرد

محمد شفیع الدین نیر صاحب کی نظم بہت پسند آئی۔ ملک محمد اسلم، فروکہ

● جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح نصیحت آموز تھا۔
شاہد شفیق، جھڈو

● مجھے ہر مہینے نونہال کا بے چینی سے انتظار رہتا ہے۔
نسرین ناز، کراچی

● اس دفعہ کی کہانیاں اور لطیفے بالکل بکواس تھے۔ احمد محمود، کراچی

● قارئین کی عدالت کا نام بدل کر قارئین کے خطوط رکھ دیں۔
سائرہ، حیدر آباد

● آدھی مونچھ اور گدھا وزیر بہت پسند آئیں۔
ثمینہ کوثر، راڈگھن

● نونہال کا معیار تمام رسالوں سے بہتر ہے۔ شازیہ عنایت، کراچی

● ہر کہانی معیاری تھی۔ ہر کہانی میں سادہ اور آسان زبان استعمال کی گئی تھی۔ حکیم محمد سعید کے جاگو جگاؤ اور مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات میں ہمیں جو نصیحت کی جاتی ہے ہم اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ کہانیوں میں اس دفعہ ترتیب کچھ یوں تھی۔ (۱) خطرناک ایجاد (تارا یوسف) (۲) عقل مند غلام (حامد علی شاہد) (۳) آخری نغمہ (ثریا فرخ)۔ مضامین میں پہلا نمبر "کیا جانور بول سکتے ہیں" اور دوسرے نمبر پر "جنگلی حیوانات" (ڈاکٹر منظور احمد) تھے۔ کارٹونسٹ مشتاق صاحب بھی تعریف کے مستحق ہیں۔ اعجاز الیاس، کراچی

● اس دفعہ لطیفے اچھے تھے۔ جاگو جگاؤ پسند آیا۔ کہانیاں بھی شاندار تھیں۔ سبین خمور پاٹولی، حیدر آباد

● عامر یونس کی لکھی ہوئی کہانی آدھی مونچھ اور حضورؐ کی عادتیں بہت پسند آئیں۔ لطیفے کوئی خاص نہ تھے۔
سید وقار علی، لطیف آباد

● لطائف اور کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ عامر یونس کی کہانی "آدھی مونچھ" بہت اچھی تھی۔ ایم نور الاسلام سحر بلوچ، جیوانی مکران

● نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ تابندہ ظہور، لاہور

● پہلی بات نے بہت زیادہ متاثر کیا۔ حافظ راشد منہاس، کراچی

● جاگو جگاؤ اور جناب مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات نے بہت متاثر کیا۔ رابعہ عطا، ملتان

● کہانیوں میں عقل مند غلام (حامد علی شاہد)، پھول کھلے ہیں جنگل میں (مناظر صدیقی) آدھی مونچھ (عامر یونس) خطرناک ایجاد پسند آئیں۔ لطیفے اچھے تھے۔ رسول پاکؐ کی عادتیں (مولانا اعجاز الحق قدوسی) ایک اچھا مضمون تھا۔ تحفہ ایک اچھا کالم ہے۔ خیال کے پھول ایک بہت ہی اچھا سلسلہ ہے۔ نونہال ادیب میں تمام تحریریں اچھی تھیں۔ جاگو جگاؤ حکیم صاحب کی کوشش سے بہتر سے بہتر ہوتا جا رہا ہے اور اس سے بہت سے دوست فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ پہلی بات مسعود احمد برکاتی صاحب کی اچھی تحریر ہوتی ہے۔ آپ نے انسائیکلو پیڈیا میں میرا سوال یعنی ٹیلی وژن پر تصویریں کس طرح آتی ہے، تو شائع کر دیا لیکن میرا نام بالکل شائع نہیں کیا گیا۔
سعید احمد اختر، ترنڈہ سوائے خان

ادھو، آپ کا نام رہ گیا۔ معاف کرنا۔ غلطی ہو گئی ہے۔

● اکتوبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ تمام کہانیاں مزے دار تھیں۔
نصیر احمد قریشی، بھریا شہر

● میں اور میرے تمام بہن بھائی نونہال بڑے شوق اور محبت سے پڑھتے ہیں۔ قدیر احمد انصاری، کراچی

○ رسالہ پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ نہ صرف غیر معمولی تبدیلیاں لائی گئی ہیں بلکہ اس رسالے میں پہلے سے زیادہ محنت کی گئی ہے۔ مجموعی طور پر رسالہ عروج پر ہے۔ قارئین کی عدالت کی تبدیلی کوئی خاص متاثر نہ کر سکی۔ لطائف کہکشاں کی طرح لگے اور خطوط نے نونہالوں کی نونہال کے ساتھ بے حد دلچسپی کا ثبوت دیا۔
محمد اکرم سیالوی، غلام سرور سیالوی، ڈکیل والا

● یہ ملک کا واحد رسالہ ہے جس میں ہر وہ چیز ہے جو مجھے پسند ہے۔ فوزیہ نگار، ڈیرہ اسماعیل خان

● نونہال ملتے ہی خوشی سے چوم لیا۔ سرورق خوب صورت تھا اور نونہال کی تقریباً تمام کہانیاں خوب صورت تھیں۔
شمشاد ایم ساقی، کراچی

● خطرناک ایجاد (تارا یوسف) عقل مند غلام (حامد علی شاہد) اور آدھی مونچھ (عامر یونس) معیاری اور سبق آموز کہانیاں ہیں۔
عبدالستار قریشی اور عقیل احمد قریشی، حیدر آباد

● نونہال پسند آیا۔ اسد رحمان، ساہی وال

● قارئین کی عدالت میں اپنی باجی کا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔
سید طارق علی، کراچی

● تمام کہانیاں اچھی تھیں محمد خالد صدیق رانا، کراچی

● اس ماہ کا نونہال ایک خوب صورت گل دستے کی طرح تھا۔ اس گل دستے میں کئی قسم کے پھول تھے۔ ان پھولوں میں سب سے زیادہ خوش بُو دار پھول جاگو جگاؤ نے متاثر کیا۔ کہانیاں بھی اچھی تھیں، خاص طور پر "پھول کھلے ہیں جنگل میں" اقوالِ زریں اور تحفے بھی خوب تھے۔
تہمینہ حیدر، راول پنڈی

● اکتوبر کا نونہال معیاری اور بہترین تھا۔ "خیال کے پھول" اور "جاگو جگاؤ" اور "تحفے" بہت اچھے تھے۔ لطائف نئے اور مزے دار تھے۔ آدھی مونچھ اور عقل مند غلام بہترین کہانیاں تھیں۔ مضمون "رسولِ پاک کی عادتیں" پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ طاہر محمود ہاشمی، خان پور

● سب کہانیاں معیاری تھیں۔ زبیر احمد چیمہ، ملتان

● خطرناک ایجاد (تارا یوسف) بہت ہی اچھی کہانی تھی۔ لطیفے پُرانے تھے۔ البتہ اچھی اچھی کہانیوں نے ان کی بدمزگی چھپالی۔ شہلا میر، جہلم

● اگر میں سندھی کی کوئی لوک کہانی اردو میں ترجمہ کر کے بھیجوں تو آپ اس کو شائع کریں گے؟ محمد ناصر علی افسر، مٹیاری سندھ

آپ نے خط کے جواب کے لیے اپنا پتا نہیں لکھا۔

● اس دفعہ معلومات عامہ کے آسان سوال تھے۔
ممتاز احمد ایم قریشی، ٹھٹھ

● مجھے نونہال اچھا لگتا ہے، کیوں کہ اس میں نئے دور اور پُرانے دَور کی کہانیاں شائع کی جاتی ہیں۔ نسیم، شہداد پور

● میں آپ کا رسالہ بڑی پابندی سے پڑھتا ہوں۔ میں ہی نہیں میرے سب گھر والے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔
محمد سلیم میمن، ٹنڈو آدم

● کہانیوں میں عقل مند غلام، آخری نغمہ اور خطرناک ایجاد بہت اچھی تھیں۔ لطیفے، تحفے اور کارٹون بھی بہت اچھے تھے۔
فوزیہ محمد ایوب، کراچی

● جاگو جگاؤ جناب حکیم محمد سعید صاحب بہت پسند آیا۔ تحفے بہت اچھے تھے۔ پھول کھلے ہیں جنگل میں (مناظر صدیقی) کو نونہال کی جان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ بزم ہمدرد نونہال لاہور اچھی تحریر تھی۔ نونہال ادیب میں عجیب خواب، جناب داور اطہر خلیل، مستقط بہت اچھا مضمون تھا۔ سراب مختصر مگر جان دار مضمون تھا۔
مختیار احمد انجم، منیر احمد ارشد، احسان احمد انجم اور ملک شفیق حسین، اوچ شریف۔

● جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح نصیحت آموز اور بہترین تھا۔ لطیفے چند کے علاوہ پڑھے ہوئے تھے۔ سرورق پسند آیا۔
کنور شاہد قائم خانی، نواب شاہ

● کہانیوں میں آدھی مونچھ، خطرناک ایجاد اور عقل مند غلام بہت خوب رہیں۔ محترمہ ریحانہ ظفر کا تحریر کردہ مضمون "کیا جانور بول سکتے ہیں" بہت دل چسپ تھا۔ ظہیر عالم، اکرڈی بینھورد

● جاگو جگاؤ نے دل کو روشن کردیا۔ جناب حکیم محمد سعید کا اندازِ تحریر بہت اچھا ہے۔ بالکل ایسا لگتا ہے جیسے وہ ہمارے سامنے بیٹھ کر گفت گو کر رہے ہوں۔ شیرازی محمود احمد بٹ، کراچی

● تازہ شمارہ پھول کی شکل میں آیا اور دماغ کو معطر و تر و تازہ کر گیا۔ لیکن قارئین کی عدالت کا نیا انداز پسند نہیں آیا۔
محمد عرفان میمن، سکھر

● یوں تو نونہال میں بہت سی خوبیاں ہیں مگر اس کی یہ خوبی منفرد ہے کہ اس میں اکثر تحریریں بچّوں کی ہی ہوتی ہیں۔ اس طرح نونہالوں کو لکھنے کا موقع ملتا ہے۔ ہم ہر ماہ جاگو جگاؤ کی عکسی کاپیاں کرا کر لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اُسے پڑھ کر وہ بہت متاثر ہوتے ہیں۔
محمد جہاں زیب مغل، ملتان

● مجھے نونہال پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ میں ہر ماہ نونہال بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ اشرف بشیر، کراچی

● مجھے سب سے زیادہ آدھی مونچھ پسند آئی۔
ارجنداس ہروانی، بیلہ بلوچستان

● لطیفے تر و تازہ تھے۔ پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ نبیل احمد خان، ٹھٹھ

● یہ وہ واحد رسالہ ہے جو معلومات کے ساتھ ساتھ تفریح بھی فراہم کرتا ہے۔ عفت زہرا، کراچی

● نونہال مسلسل ترقی کر رہا ہے۔ محمد اعجاز، کراچی

● کہانیوں میں ظلم اور دعا، آخری نغمہ (ثریا فرخ) عقل مند غلام (حامد علی شاہد) اور عجیب خواب قابلِ ذکر تھیں۔

محمد عدیل، کراچی

● تمام کہانیاں اچھی لگیں۔ جاگو جگاؤ (جناب حکیم محمد سعید) پہلی بات (مسعود احمد برکاتی) اچھی تحریریں تھیں۔

عبدالرشید اچکزئی، چمن

● کہانیاں تمام اچھی تھیں جب کہ پرانے اور نئے لطیفوں کا مکسچر بھی بس قابلِ قبول ہی تھا۔ آصفہ شمیم قریشی، کراچی

● اب نونہال کا معیار اور بلند ہو گیا ہے۔ نونہال کا سرورق دیگر رسائل سے حسین اور دل کش ہوتا ہے۔ محمد شفقت پاشا، کراچی

● سرورق اچھا نہیں تھا۔ وجیہہ فاروقی، کراچی

● اس مہینے کا نونہال بہت اچھا، خوب صورت اور دل کش ہے۔ اس میں وہ تمام خوبیاں تھیں جن کا ہر پڑھنے والے کو ہر مہینے انتظار رہتا ہے۔ محمد اعجاز خان بابرزئی، اجاشورد

● بلاشبہ یہ رسالہ تعلیمی استعداد بڑھانے اور تربیت کو جلا بخشنے میں مدد دیتا ہے۔ گزشتہ شمارہ بے حد دل چسپ تھا۔ لطیفے پسند آئے۔ فوزیہ جبیں، کراچی اور ثمرمینہ تبسم

● اکتوبر کے شمارے میں کہانیاں اور لطائف بور تھے۔ جاگو جگاؤ پہلی بات، رسولِ پاک ؐ کی عادتیں اور "کیا جانور بول سکتے ہیں" (ریحانہ ظفر) شمارے کی جان تھے۔ روبینہ فرید، کراچی

● سب سے اچھی کہانی آدھی مونچھ تھی، جس کو پڑھتے ہی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ہاتھ خود بہ خود خط لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ میری طرف سے عامر یونس کو مبارک باد دے دیجیے۔

محمد شاہد رسول، لطیف آباد اور زینب علی رضوی، کراچی

● اس سے اچھا رسالہ اگر کوئی مجھے پاکستان سے ڈھونڈ کر لادے تو میں مان جاؤں گا۔ نونہال کا ہر شمارہ خاص شمارہ ہوتا ہے۔

برہان احمد، کراچی

● آدھی مونچھ کہانی تو اتنی اچھی لگی کہ میرے دل میں شرارت پیدا ہو گئی۔ مگر اس کا آخری حصہ پڑھا تو میرے آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ باقی بالو خان بلوچ، کراچی

● نونہال کی کیا شان ہے۔ نونہال تو ہماری جان ہے۔

محمود محمد اشرف، کراچی

● اکتوبر کا رسالہ نونہال پڑھا تو بے اختیار ہاتھ میں قلم لے لیا اور لکھنا شروع کر دیا۔ غلام یسٰین اعوان، کراچی

● کہانیوں میں خطرناک ایجاد، عقل مند غلام اور چاند کا بوڑھا بہت پسند آئیں۔ اورنگزیب، وقاص، جنید، اکبر، ایاز، بدین

● رسول پاک ؐ کی عادتیں بڑا سبق آموز مضمون تھا جسے پڑھ کر میرا دل موم کی طرح نرم ہو گیا۔ منیر احمد جتوئی، سکھر

● کہانیوں میں خطرناک ایجاد (تارا یوسف) کی بات ہی کیا ہے۔ اس کے علاوہ عقل مند غلام، آدھی مونچھ اور آخری نغمہ بھی پسند آئیں۔ شیکسپیئر کے ڈرامے کا خلاصہ پھول کھلے ہیں جنگل میں بھی اچھا تھا۔ معلوماتی مضمون کیا جانور بول سکتے ہیں پڑھ کر حیرت کے جھٹکے لگنے لگے۔ اس بار لطائف بھی اچھے تھے۔ جنگلی حیوانات (ڈاکٹر منظور احمد) ایک بہت اچھا سلسلہ ہے۔ اس بار سیلنٹر یٹا حیوانات کے بارے میں پڑھ کر معلومات میں بہت اضافہ ہوا۔ دیارام مکوانہ، میرپور خاص

● کہانیاں اور اقوال زریں ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے۔ نونہال مصور میں چھوٹی بہن شگفتہ پروین کے کارٹون دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

شیریں پروین، کراچی

● اس دفعہ تو کہانیاں تمام ہی خوب تھیں۔ شازیہ فرحین، کراچی

● خطوط چھاپنے کا یہ انداز بالکل پسند نہیں آیا۔ وہی سابقہ انداز ہی ٹھیک تھا۔ محمد حسن رضا گوندل، منڈی بہاءالدین

● آخری نغمہ پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لوگ اگر سڑکوں پر گاڑیاں دیکھ کر چلائیں تو اس طرح کے حادثے نہ ہوں۔ مضمون کیا جانور بول سکتے ہیں دل چسپ تھا۔ صائمہ ممتاز، کراچی

● حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ لکھنے میں انداز بیان اور کہانیوں میں آدھی مونچھ اور عقل مند غلام اپنی مثال آپ تھیں۔

خضر حیات، فروکہ

● سائنسی کہانی خطرناک ایجاد ایک بہترین شاہکار تھا۔ روز بروز نونہال اچھا ہوتا جا رہا ہے۔ غلام مرتضیٰ سومرو، شکارپور۔ عابد حفیظ، گوجرہ۔ جاوید، شوکت، امین اور سلیم، کراچی۔ وسیم عباس، سیال کوٹ چھاؤنی۔

۲۷۰ معلوماتِ عامہ کے جوابات

ان جوابات کو غور سے پڑھیے۔ جو نونہال جوابات نہیں بھیجتے یا جن کے جوابات صحیح نہیں نکلتے ان کو بھی چاہیے کہ جوابات کو غور سے پڑھا کریں۔ معلومات بڑے کام کی چیز ہے۔ معلومات رکھنے والا انسان ہمیشہ فائدے میں رہتا ہے۔ کسی چیز کو مشکل نہ سمجھیے۔ کوشش سے ہر بات معلوم ہو سکتی ہے۔

۱ ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے مسجدِ قبا کی تعمیر میں بہ ذاتِ خود حصّہ لیا تھا۔

۲ ۔ حضرت داؤد علیہ السلام طالوت بادشاہ کی فوج میں سپاہی تھے۔

۳ ۔ پاکستان کے شمال میں روس اور چین واقع ہیں۔

۴ ۔ مصر کا قومی نشان کنول کا پھول ہے اور ایران کا قومی نشان گلاب کا پھول ہے۔ ترکی کا قومی نشان بھیڑیا ہے۔

۵ ۔ چولستان پاکستان کے صوبے پنجاب میں واقع ہے۔

۶ ۔ سفید ہاتھی تھائی لینڈ میں پائے جاتے ہیں۔

۷ ۔ مصر کے آخری بادشاہ کا نام شاہ فاروق تھا۔

۸ ۔ بجلی کے بلب میں نائٹروجن گیس بھری جاتی ہے۔

۹ ۔ اگلو، رینڈیئر اور سلیج ۔ ان تین لفظوں کی مدد سے جس قوم کا نام ذہن میں آتا ہے اس کا نام اسکیمو ہے۔

۱۰ ۔ ہندستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر رنگون میں دفن ہیں۔

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

تزئین نصیر
تنویر احسن
اعجاز حسین
سید غوث محی الدین فخری
شیخ اعجاز فرید
عظمٰی رئیس
سید عادل علی
ساریہ تاجور
نازیہ ہاشمی
سید معین اللہ
منیزہ اختر
شازیہ فرید
سجاد احمد فرید
علی نزہت عابدی
سید حمید اللہ
آصفہ شمیم قریشی
سید نوید احمد
راشد اختر
صائمہ فرید
نور الصباح
سلمان خان
عائشہ عظمٰی
عنبرین گلزار علی
نازش گلزار علی
محمد رفیق
محمد عارفین اچیتی
سید امان اللہ
آمنہ ارم
شریف احمد فرید
سیّد امجد علی
سیّد آصف علی
غیاث احمد صدیقی
نوید ظفر انوار
بشریٰ ظفر انوار
جاوید اقبال خٹک
محمد خالد رانا
سید مہدی خراسانی
آصف عباسی
سیّد مظہر احمد رضوی
عنبر حفیظ علوی
صدف خانم غلام نبی خاں
عامر حسین
مدثرہ اعجاز
ملیحہ علی
عدنان علی
دانش فاطمہ
نازش فاطمہ
شیخ محمد وقاص
آصف احمد شیخ
محمد عارف صدیقی مری بلوچ
بشریٰ نادر خاں

نواب شاہ

فیاض احمد
ساجدہ محمد
شاہدہ ظہور علی
شبانہ علی محمد
محسن رجب علی
یاسین رجب علی
رضوان محمد ادریس
شبیر حسن رجب علی
انیلا رجب علی
صدیقہ محمد
محمد پیار علی
عبد الباسط ثاقب
احمد سعید، ہری پور ہزارہ

حیدرآباد

محسن شباب
خاور جعفری
حنا جعفری
سید شان الحق
امداد علی بلیجو
شارق رمضان علی خواجہ

سانگھڑ

غلام رسول پارس
محمد امین سیف الملوک
بے بس غلام مصطفٰی لغاری بلوچ
ندیم عمر یوسف زئی
محمد شاہد ذکی

سکھر

فہیم احمد
حمیرا اوصاف
عبد الرحیم مغل
نوشین سحر

خیرپور میرس

نثار شیخ
فیاض احمد سومرو
ظفر اللہ شیخ

شمیلہ زہیب نقوی
جویریہ زہیب نقوی
ذکیہ زہیب نقوی

سنجھورو

محمد طاہر آرائیں

عاشق حسین نازش
سید نوید علی ہاشمی

ٹنڈو آدم

محمد عمران قادر
محمد ہارون قادر
محمد حارث قادر
محمد ذیشان قادر

مختلف شہروں سے

ندیم رضا شاہ، راول پنڈی
نابغہ ناز، فیصل آباد

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

فاطمہ حسن، کراچی

فیصل رمضان، حیدرآباد

رضوان احمد سومرو، ٹنڈو محمد خان

سید محمد شبلی، کراچی

محمد آصف، کراچی

محمد ارشد، کراچی

سید ارشد علی، کراچی

سید اطہر علی، کراچی

سید مطاہر احمد رضوی، کراچی

سید اظہر احمد رضوی، کراچی

شہزاد مجیب، کراچی

اشرف علی، کراچی

محمد آصف غلام نبی بلوچ، کراچی

کامران حسین، کراچی

سید کبیر شاہ، پشین

زاہد محمود، کراچی

جاوید احمد، کراچی

شریف خان، کراچی

محمد اسد، کراچی

محمد صادقین کھتری، کراچی

عمران، سکھر

مبشر محمود، کراچی

خیال محمد، کراچی

فیروز محمد، کراچی

شوکت صدرالدین، کراچی

ارشاد حسین، کراچی

عمران حسین، کراچی

سید وقاص عزیز، کراچی

محمد ناصر علی، کراچی

جاوید عبدالکریم، کراچی

محمد فاروق، کراچی

محمد مصعب مجاہد، کراچی

کاشف عباسی، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

محمد اظہر ایوب

محمد اشرف ایوب

محمد اشعر حسن

ماریہ حسن

محمد سرور اقبال

محمد سہیل ایوب
محمد ذیشان ایوب
محمد ظفر ایوب
آمنہ سرور
سنبل گل گلزار علی
محمد زاہد احمد
فائزہ سعید
محمد وقار الحسن خان لودھی
ذیشان خان
سعدیہ امبر
ریحان سعید
نازنین شفیق
عاصم اظہر کرمانی
فبیہ فرید
محمد ریاض الدین قریشی
زبیر شاہد احمد
ظفر حسین صدیقی
انوار حسین صدیقی
توقیر احسن
دانش سراج
خرم عبدالحمید بٹ
مہتاب خراسانی
سید عون رضا نقوی
عاصم عبدالحمید بٹ

ثمینہ خانم غلام نبی خاں
محمد ادریس خان
سید محمد شرف الدین

سکھر

محمد ندیم راج
ملک محمد صادق
سید مسرور علی کاظمی
عظمٰی جمیل
عالیہ نزہت
حمیرا ناز

ملتان

عامر اقبال
محمد عرفان اعوان

حیدر آباد

سکندر ذوالقرنین
غلام حسین میمن
شان الٰہی

سکرنڈ

ندیم احمد خانزادہ
فہیم احمد خانزادہ

تحصیل ننکانہ صاحب

پرنس محمد شفیق چھیکا
محمد اکرم سیالوی
غلام سرور سیالوی

نواب شاہ

نعیم احمد خانزادہ
جنگ شاہی
بشیر احمد پلیجو

دولت پور صفن

خانزادہ مبشر اقبال راجپوت

فیصل آباد

جاوید اقبال ناز

شکار پور

شبیر حسین صدیقی

مقام نامعلوم

اکمل عزیز

کراچی

سعدیہ قدیر
دانش احمد صدیقی
محمد عامر
نورین کوثر
مرزا عمر الطاف بیگ
مرزا عارف عقیل بیگ
ثروت یامین
ثمرین قمر
جاوید خاں آفریدی
تہمینہ نشاط
ریما ناز

اس شمارے کے مشکل الفاظ

کنیز	کَ نیز	: لونڈی، خادمہ۔
منفرد	مُن فَ رِ دْ	: تنہا، اکیلا، یکتا، یگانہ۔
مُدَبِّر	مُ دَ بْ بِر	: دانش مند، تدبیر کرنے والا۔
تدبّر	تَ دَ بْ بُر	: عاقبت اندیشی، سوچنا، غور کرنا۔
محکم	مُح کَم	: مضبوط، مستحکم، مستقل، پکّا۔
نکمّا	نِ کَم ما	: بے کار، ناکارہ، خالی، خراب، وہ شخص جو کام سے جی چُرائے۔
فاش	فَا ش	: ظاہر، آشکارا۔
چھال	چھا ل	: چھلکا، درخت کے اوپر کا پوست۔
نقص	نَق ص	: کمی، کسر، عیب، برائی، کھوٹ۔
فرمودہ	فَر مُو دَا	: فرمایا ہوا، کہا ہوا۔
نفاق	نِ فَا ق	: پھوٹ، بگاڑ، نا اتفاقی۔
شیوہ	شے وَ ا	: انداز، دستور، طور طریق، ڈھنگ۔
اولوالعزم	اُو لُل عَزم	: ہمت والا، مضبوط ارادے والا۔
دھتکار	دُھت کا ر	: لعنت، ملامت۔
طمع	طَمَعْ۔ طَ مْ ع	: لالچ، حرص، چاہ۔
کورا	کو ر ا	: مٹی کا برتن جس میں پانی نہ پڑا ہو، صاف، کورا، بے وقوف، بے پڑھا ہوا، جاہل۔
متجسس	مُ تَ جَس سِس	: تلاش کرنے والا، جستجو کرنے والا۔
خول	خَو ل	: خالی، کھوکھلا، چھلکا، اوپر کا غلاف، میان۔
درکار	دَ رْ کا رْ	: ضروری، مطلوب۔
نمو	نُمُو	: بڑھنا، پرورش پانا۔
رو	رَو	: لفظی معنی چلنے والا، جیسے راہ رو، چلنے والا، سمندر کے اندر دریاؤں کی طرح جو پانی چلتا رہتا ہے اُسے رو کہتے ہیں۔

آگیا آگیا ہمارا ٹوتھ پیسٹ
پہلی بار ہمارے لیے پیارا ٹوتھ پیسٹ
ہمدرد
Hamdard Naunehal Toothpaste
ہمدرد کا نونہال ٹوتھ پیسٹ
ہاتھی کے دانت دکھانے کے
ہمارے دانت کھانے کے
ہاتھی ہمارا ساتھی ہم کو سیر کرائے
اچھے بچے صبح دانت صاف کرتے ہیں اور رات سونے سے پہلے دانت صاف کرتے ہیں
نونہال ٹوتھ پیسٹ
دانتوں کو چمکائے سانسوں کو مہکائے
ہمدرد
ہم خدمت خلق کرتے ہیں

ہمدرد
نونہال

دسمبر ۱۹۸۸

رجسٹرڈ ایم نمبر ۶۹